بچوں کا ادب

اور

مرتضیٰ ساحل

www.taemeernews.com

بچوں کا ادب اور مرتضیٰ ساحل

مُرتبہ

محمد مسلم غازی

سید پبلشنگ کمپنی نئی دہلی

www.taemeernews.com

ناشر:
سید پبلشنگ کمپنی ایم بی ۵ انترکشش بھون
کناٹ پلیس۔ نئی دہلی ۱
مطبوعہ:
جے کے آفسیٹ پرنٹرس۔ دہلی ۶
ایڈیشن:
اوّل ، ۱۰۰۰ ، ۱۹۹۴ء

قیمت: -/35 روپے

سرورق: شکیل انوار صدیقی
کتابت: محمد عارف خاں

کتاب ملنے کے پتے:
۱۔ ایجوکیشنل بک ہاؤس شمشاد مارکیٹ اے ایم یو۔ علیگڑھ۔ یوپی
۲۔ الحسنات پبلی کیشنز۔ رام پور۔ یوپی
۳۔ مرکزی مکتبہ اسلامی ۱۳۵۳ بازار چتلی قبر۔ دہلی ۶

www.taemeernews.com

قابلِ صد احترام

|

استاذ و مربّی

|

جناب محمد جاوید اقبال صاحب

(سابق ناظم درسگاہ اسلامی رام پور یوپی)

|

کی

|

شفقتوں کے نام

سچائی اور عدم تشدد کا سبق میں نے بچوں سے سیکھا ہے۔

——— مہاتما گاندھی

www.taemeernews.com

ترتیب

محمد مسلم غازی	۸	کہتا ہوں سچ کہ...
مرتضیٰ ساحل تسلیمی	۱۲	من آنم کہ من دانم
پروفیسر آل احمد سرور پروفیسر قاضی عبدالستار	۱۴	احساسات
ڈاکٹر ابن فرید	۱۵	مرتضیٰ ساحل کا فن
پروفیسر ابوالکلام قاسمی	۱۷	ساحل کے فن کو خراجِ تحسین
اکبر علی خاں عرشی زادہ	۱۸	میری رائے ہے کہ....
محمد اعظم خاں	۲۰	نایاب ہیرا
کیفی بھوپالی	۲۳	صالح ادیب مرتضیٰ ساحل
وصی اقبال	۲۵	نیک جذبوں کا ادیب
عتیق جیلانی سالک	۳۳	بچوں کا شعری ادب اور مرتضیٰ ساحل
تبسم نشاط	۵۰	میرا دوست میرا بھائی۔ اپنے اداریوں میں
ایس۔ فضیلت	۵۷	باتیں اُن کی یادیں میری
عزیز مرادآبادی	۶۶	بچوں کا شاعر اور ادیب
سراج انور	۷۵	نظمِ حسرت میں بھی مزاحیہ رنگ
انجم بہار شمسی	۸۰	بچوں کے ادب کا تکسالی

www.taemeernews.com

سراج الدین ندوی	۸۸	خاموش ساحل
فاروق علی خاں	۹۵	مرتضیٰ ساحل۔ ایک تقابلی مطالعہ
ہوش نعمانی	۱۰۰	ساحل تا ساحل
محمد اطہر مسعود خاں	۱۰۳	اچھا انسان اچھا ادیب
عرفان خلیلی	۱۰۷	صاف ذہن کے مالک
سالک دھام پوری	۱۰۹	بچوں کا منفرد ادیب
رئیس رام پوری	۱۱۲	بچوں کا ساحل
محمد مسلم غازی	۱۲۳	مرتضیٰ ساحل۔ ایک جائزہ
مہندر سنگھ بیدی سحر، ظفر پیامی محمد جاوید اقبال، سیدہ نسرین نقاش مائل خیرآبادی، سید شہاب الدین قاضی حسین احمد، مولانا سلیمان قاسمی نعیم صدیقی، ہریم جمیلہ سید عزیز الحسن جعفری، خورشید احمد سہیل انجم، ڈاکٹر الطاف حسین	۱۱۶	مرتضیٰ ساحل تسلیمی مشاہیر کی نظر میں
مرتضیٰ ساحل تسلیمی	۱۲۷	نگارشاتِ ساحل: غزل، گیت اے میرے دل ناداں، پھبیاں بوجھو تو جانیے، حجام بدلہ، کھوٹی اٹھنی شیخی کے کھلونے، صلہ شکایت، اداریے

www.taemeernews.com

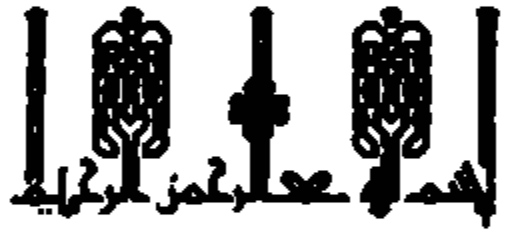

www.taemeernews.com

کہتا ہوں سچ کہ...

"بچّوں کا ادب اور مُرتضیٰ ساحل تسلیمی" انتظار مسلسل کے بعد منظرِ عام پر لانے کا فخر حاصل ہو رہا ہے۔ ادب کی ناسپاسی کے اس مجہول دور میں خشک موضوعات پر لکھنا اور پھر اُسے شائع کرنا یا کرانا فرہاد کی کوہ کنی سے زیادہ جاں گسل اور پُرخطر ہے۔ مجھے اُمید ہے کہ موضوع کی انفرادیت اور دلچسپ اندازِ بیان کی وجہ سے اس کی خاطر خواہ پذیرائی ہوگی۔

کشتی کتاب تھپیڑوں سے اُلجھتی، پیدا کردہ مشکلات کو آداب و تسلیمات عرض کرتی ہوئی بالآخر ساحلِ مُراد سے آ تو لگی مگر اس عرصہ میں مُصنّف یا مُرتّب کو کن ذہنی اذیتوں، بعض محبّان اور کرم فرماؤں کی خاص عنایتوں اور ان دیکھی پُراسرار سرگرمیوں کا سامنا کرنا پڑا، ان کی تفصیل کا کتاب کے موضوع اور اس کے سیاق و سباق سے کوئی علاقہ نہیں ہے۔

مُرتضیٰ ساحل تسلیمی ہمہ صفت انجمن اور تحریک کا نام ہے۔ ان کی ذات سے لاکھ اختلافات قبول، ان کی بشری کمزوریاں بسر و چشم، ان کی فطری جبلّتوں کے عملی مظاہروں پر سرِ نیاز خم کے باوجود ایک غیر جانبدار باشعور قاری اور ناقد ان کی جہدِ مسلسل، شب و روز کی ریاضت اور محنت و جدوجہد کا اعتراف کرنے پر مجبور ہے۔ اگر ہم یہ مانتے ہیں کہ اُن کے پاس کچھ ہے، وہ بعض خداداد صلاحیتوں کے مالک ہیں۔ اور اُن کو تحریر کا قدرتی ملکہ حاصل ہے تو یہ بھی ماننا پڑے گا کہ بچّوں کے ادب میں (کیوں کہ یہی موضوعِ بحث ہے) میں ساحل کا مقام کسی کا عطا کردہ پیشہ ور نقّاد کا نامزد کردہ نہیں ہے بلکہ اُنھوں نے خود بنایا ہے۔ اشتہار بازی سے حاصل نہیں کیا۔ کرم خوردہ ذہنی گنجے پن کے حامل نقادوں کو اگر گراں نہ گذرے تو میں یہ کہوں گا کہ ساحل نے کبھی ایسے لوگوں کو قابلِ توجہ نہ سمجھا مانگے کے

www.taemeernews.com

اُجالے سے زندگی کی راہوں میں روشنی کرنے سے بہتر اندھیرے میں رہنا سمجھا۔ لیکن ان کی ادبی غیرت نے بیساکھیوں کا سہارا گوارا نہیں کیا۔ مجھے انسانی فطرت کی پست قامتی اور کوتاہ ذہنی کا عملی تجربہ اس وقت مزید تلخ ہوگیا جب مرتضیٰ ساحل تسلیمی سے رفاقت پر فخر کرنے اور دم بھرنے والے اپنے احساسات کو دبا نہ سکے اور انھوں نے بار بار کے تقاضوں کے باوجود ایفائے عہد سے کنارہ کشی اختیار کرنے کے لئے عذر شرعی کی آڑ میں خود کو چھپائے رکھا کہ کہیں ساحل کو زبان نہ مل جائے، اس کو سندِ صداقت حاصل ہو جائے، کہیں وہ ہماری گواہی سے معتبر نہ ہو جائے وغیرہ۔ یہاں تک کہ جن افراد کے لئے انھوں نے اپنی خدمات بلکہ قربانیاں تک نام کر دیں وہ بھی ایسا جگر اور حوصلہ مستعار بھی نہ لے سکے مجھے ان حضرات کے حکم پر بار بار کی حاضری کے باوجود شکایت کرنے کا اخلاقی حق نہیں ہے کیونکہ یہ بہت اچھا ہوا کہ پردے ہٹ گئے اور زبنیت برہنہ ہو کر سامنے آگئی۔ علاوہ ازیں ان ادیبوں اور رفیقوں کا بے حد مشکور ہوں جنھوں نے، بنی عدیم الفرصتی کے باوجود اپنے تاثرات بڑی محنت سے تیار کئے اور کتاب کے حسن میں اضافہ کیا۔ حقیقت یہ ہے کہ بزرگوں کی دعاؤں اور ادب دوستوں کی مسلسل حوصلہ افزائیوں نے میری ہمتوں کو جگائے رکھا جس کا نتیجہ آپ کے سامنے ہے۔ میں نے دراصل اس روایت کو توڑنے کی کوشش کی ہے جس میں آج ہمارا ادبی سماج مبتلا ہے خاصکر ترقی پسند تحریک نے اُردو ادب کو جن تکلفات، رسوم و رواج اور رنگینیوں کی زنجیروں سے باندھ رکھا ہے۔ سوویت یونین کی عبرتناک شکست و ریخت نے کمزور کر دیا ہے لیکن انھیں ختم کرنے میں ابھی وقت درکار ہے

یہ مردہ پرستی کا دور ہے جہاں زندہ ادیب کسی سینی ٹوریم میں خون تھوک کر مر جاتے ہیں اور پھر ان کی یاد میں عظیم الشان کانفرنسیں منعقد اور لاٹ تعمیر کرنے کی قرار دادیں پاس ہوتی ہیں جہاں او پندر ناتھ اشک لیموں کی شکنجی بیچ کر اپنا گزارہ کرتا ہے؟ دوسرے سرمایہ دار ادیبوں کے ایک گروہ نے ادب کو ایسٹیبلشمنٹ کلر دے کر اس پر جابرانہ قبضہ کر لیا، ایوارڈ، اعزازات انہی کے لئے بنائے گئے ہیں جو میڈیا (MEDIA) کے ذریعہ خود کو قد آور ثابت کرنے میں کامیاب ہیں اور ادب کو اپنی رگوں کا لہو پلانے والوں کو اخبار کے کسی کونے میں جگہ مل جاتی ہے۔ ادبی

www.taemeernews.com

صنعت کاروں کے اس بورژوائی طبقہ نے باصلاحیت پرولتاری تخلیق کاروں کے جمہوری حقوق، آزادیٔ رائے، فکر کو غصب کر کے اپنی شخصیت کا بھاری بھرکم تالا لگا رکھا ہے۔ وادیٔ ادب میں پَر تولنے والے نو واردوں کو دشمن جاں سمجھ کر سلوک کرتے پختہ مشق بن گئے نوکیلے دانتوں سے اس غریب حال کی ہڈیاں تک چبا ڈالیں گے اور ڈکار تک نہیں لیں گے۔ نہ جانے کتنے خود دار قلمکار دیو آدم کے بوجھ تلے کراہ رہے ہیں۔ ان میں مرتضیٰ ساحل تسلیمی کا بھی نام ہے۔ بعض نام نہاد نقاد بچوں کے ادب کی تاریخ کا ذکر کرتے وقت ان کو بڑی ڈھٹائی کے ساتھ نظر انداز کر گئے۔ جبکہ یہ شفیع الدین نیر، مائل خیرآبادی کے سلسلہ کی ایک مضبوط کڑی ہیں۔ ان کا سب سے بڑا امتیاز یہ ہے کہ بچوں کے ادب کو پروازِ تخیل کے بوجھل پن سے بچایا اور اصلاحی پیغامات اس خوبصورتی سے کہانیوں کے اندر پرو دیئے کہ وہ براہِ راست وعظ و عبادت کا رنگ اختیار نہ کر پائے۔ اس پُل صراط پر بہت سے لوگ چلے، کچھ راستے میں دم توڑ گئے یا قبلہ ہی بدل دیا لیکن مرتضیٰ ساحل تسلیمی نے شکست تسلیم نہیں کی اور نہ ہی اسے ساحل پر لنگر انداز کیا بلکہ ان کا سفر مسلسل جاری ہے۔ وہ جو لکھتے ہیں اس میں نیا رنگ ہے۔ وہ اپنی تحریروں کے خود خالق ہیں اور اپنے منفرد رنگ کے راوی بھی، انھوں نے کسی بھی مقام پر خود کو دُہرانے کی ہیضہ کن بیماری سے کوسوں دور رکھا ہے جس میں ہمارے آج کل کے بیشتر ادیب گرفتار ہیں۔ مخصوص انداز، مخصوص الفاظ کی بازگشت ان کی تحریروں میں جا بجا صاف طور سے محسوس کی جا سکتی ہے۔ اور جس دن مرتضیٰ ساحل تسلیمی نے اس بدشمار روایت کو اختیار کیا ایک ادیب مر جائے گا اور اس کی جگہ مقلد لے لے گا اور میں سمجھتا ہوں کہ روایت شکن ساحل اپنی خودکشی کا انتظام نہیں کریں گے۔

اس کتاب کی اشاعت کا قصد میں نے کئی سال قبل کیا تھا لیکن وہ مشکلات آئیں جن کا ذکر میں نے اوپر کیا ہے۔ میں بڑے احترام اور بڑی صاف گوئی سے عرض کروں گا کہ ساحل صاحب نے بھی کچھ کمی نہیں کی۔ اُن کی منکسر المزاجی اور اُن کی ہمہ سمت انتہائی مصروفیت نے مجھے مایوس کیا۔ وہ تو اپنے بارے میں ایسی کتاب کی اشاعت کے لئے

www.taemeernews.com

آنا دہ تک نہیں تھے۔ دو صفحات لکھنے میں بھی انھوں نے طویل وقت لیا۔ جبکہ اِس دوران رسائل کے لئے سیکڑوں صفحات لکھے ہوں گے۔

کتاب کی تاخیر سے اشاعت کا ایک نقصان یہ بھی ہوا کہ کئی بزرگ ادیب وشاعر اِس دُنیا سے رخصت ہو گئے جنھوں نے اپنے احساسات سے نوازا تھا۔ آنجہانی ظفر پیامی اور کنور مہندر سنگھ بیدی سحر صاحب۔

جناب کیف بھوپالی اور جناب سراج انور مرحومین نے بھی اپنے تاثرات رقم کئے تھے۔ اللہ تعالیٰ انھیں جنت الفردوس میں جگہ مرحمت فرمائے۔ آمین۔

آخر میں میں ان تمام افراد کا شکریہ ادا کرنا اپنا فرض سمجھتا ہوں جنھوں نے قدم قدم پر میری رہنمائی کی، قیمتی مشوروں سے نوازا اور کتاب کو آخری منزل تک پہنچانے میں تعاون سے سرفراز کرتے رہے۔ اُمید ہی نہیں بلکہ یقین ہے کہ ادبی حلقوں میں اس کتاب کا خیر مقدم کیا جائے گا۔ اس کے علاوہ بچوں کے ادب پر ریسرچ کرنے والوں کے لئے بھی غالباً ایک اہم حوالہ ثابت ہوگی۔

محمد مسلم غازی
شعبۂ سیاسیات۔ علی گڑھ مسلم یونیورسٹی
علی گڑھ

www.taemeernews.com

من آنم کہ من دانم

مجھے اُس وقت بہت حیرانی ہوئی تھی جب ایک بزرگ ادیب نے مجھے بتایا کہ ایک نوجوان "بچوں کا ادب اور مرتضیٰ ساحل" موضوع کے تحت کوئی کتاب شائع کرنا چاہتے ہیں اور مجھ سے بھی تاثرات تحریر کرنے کی فرمائش کی ہے، تو میں نے ایسی کسی کتاب اور نوجوان سے لاعلمی کا اظہار کیا تھا۔ اور وہ بزرگ ادیب بھی شش و پنج میں پڑ گئے تھے۔ کچھ دن بعد ایک رفیق سے معلوم ہوا کہ عزیزم محمد مسلم غازی کوئی کتاب مرتب کر رہے ہیں اور کئی مضامین اُن کی فائل میں آ بھی چکے ہیں۔

اب یہ اظہار کرنا ضروری نہیں ہے کہ محمد مسلم غازی مجھ سے کتنی محبت کرتے ہیں، میرے لئے کیسے جذبات وہ اپنے دل میں رکھتے ہیں اور میں نے جب انھیں یہ کام کرنے سے منع کیا تو وہ کتنے مایوس ہوئے تھے۔ پھر ایک رفیق، ایک بہی خواہ وصی اقبال صاحب کے یہ سمجھانے پر خاموشی اختیار کر لی تھی کہ جب کوئی اپنے مخلصانہ جذبہ کے تحت کچھ کر رہا ہے تو تم اُسے ہرگز نہ روکو۔ مگر میں آج بھی عزیزم مسلم غازی کے اس کام سے متفق نہیں ہوں کہ مجھ پر کوئی کتاب شائع ہو۔ آخر میرا ادبی سرمایہ ہی کتنا ہے؟ اور پھر کتنا معیاری ہے اور کتنا غیر معیاری یہ بھی تو پرکھا جانا ہے۔ میری مراد اُس تحریری کام سے ہے، جو میں نے ننھے منّے بچوں اور نوعمروں کے لئے کیا ہے۔ میں نے بہت سے افسانے، غزلیں، طنزیہ اور مزاحیہ نظمیں و قطعات کہے ہیں لیکن مجھے اپنی کہی ہوئی بچوں کی نظموں میں سے بعض نظموں کو پڑھ کر روحانی مسرت اور اطمینان کا احساس ہوتا ہے۔

بڑے ادیب پہلے کی طرح آج بھی بچوں کے لئے نہیں لکھ رہے ہیں حالانکہ بچوں کے

www.taemeernews.com

ادب کو پہلے سے زیادہ اہمیت دی جارہی ہے، بچوں کے ادب پر کام ہو رہا ہے۔ لیکن بچوں کے بیشتر ادیب معروف ادیبوں میں سے نہیں ہیں ــ اور جو باقاعدگی سے بچوں کا ادب تخلیق کر رہے ہیں، بچوں کے ادب پر تحقیقی کام کرنے والے انھیں کسی وجہ سے نظر انداز کرتے ہیں اور معروف ادیبوں نے اگر کسی رسالے کے لئے مدیر کی فرمائش پر یا مزہ منہ کا بدلنے کے لئے بچوں کے کسی رسالے میں کوئی تحریر چھپوادی ہے تو انھیں بچوں کا ادیب ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔

میں پورے اعتماد سے کہہ سکتا ہوں کہ بچوں کے لئے لکھنا بہت مشکل کام ہے۔ خود کو بچوں کی سطح پر لانا پڑتا ہے۔ اُن کے مسائل کا تجزیہ ان کی ذہنی سطح سے کرنا پڑتا ہے۔ بچوں کی اپنی ایک دُنیا ہوتی ہے، اگر قریب سے مشاہدہ کیا جائے، اگر بچوں کو پوری سنجیدگی سے پڑھا جائے تو یہ اپنے آپ میں ایک دلچسپ مشغلہ ہے۔ میں نے گزشتہ پندرہ سال میں بچوں کے لئے جو کچھ لکھا ہے وہ بچوں کے ادب کی کسی تعریف کے سانچے میں ڈھال کر نہیں لکھا ہے۔ شاید کوئی دوسرا ادیب بھی اس طرح نہیں لکھتا ہوگا۔ البتہ جو کچھ لکھا ہے اُس میں یہ کوشش کی ہے کہ بچوں کے لئے دلچسپ ہو، معلوماتی ہو اور مفید بھی ہو ــ یعنی میری تحریریں پڑھ کر بچوں میں اخلاقی قدریں پیدا ہوں۔ وہ اچھے انسان بنیں اور بُرائی سے نفرت کریں۔ لیکن سب کچھ غیر محسوس طریقے پر ہو۔ میرا احساس ہے کہ کسی بھی زبان میں بچوں کی کہانیاں سبق آموز ہی ہوتی ہیں۔ جہاں تک نظموں کا تعلق ہے میں نے پابند نظمیں کہی ہیں۔ پابند نظمیں بچوں کو یاد بھی ہو جاتی ہیں اور ترنم سے بھی پڑھی جا سکتی ہیں ــ آزاد نظمیں بچوں کے لئے مفید نہیں ہوتیں ــ ضروری نہیں ہے کہ میری شعری و نثری کاوشوں کے سلسلے میں میرے احساسات سے سب متفق ہوں۔

بہرحال محمد مسلم غازی ایک مخلص انسان ہی نہیں بلکہ دعوتی اور تحریکی مزاج رکھنے والے ملّت کے نوجوان بھی ہیں جو اچھی تقریری اور تحریری صلاحیت کے مالک ہیں۔ میری دُعا ہے کہ اُن کی صلاحیتوں سے ملّت اور ملک کو فائدہ پہنچے ــ آمین۔

مرتضیٰ ساحل تسلیمی

ادارہ الحسنات۔ رام پور یوپی

www.taemeernews.com

احساسات

○

"مرتضیٰ ساحل سے متعلق مجھے ذاتی واقفیت زیادہ نہیں ہے اور نہ ہی کبھی اُن سے میری ذاتی ملاقات ہوئی ہے البتہ اُن کی تخلیقات کو پڑھا ہے، اور جو کچھ پڑھا ہے اُس کی بُنیاد پر میں کہتا ہوں کہ اُنھوں نے بچّوں اور نو عُمروں کے لیے جو کُچھ لِکھا ہے وہ خوب نہیں، بہت خوب ہے اور میں اُس کو قدر کی نگاہ سے دیکھتا ہُوں۔"

— پروفیسر آلِ احمد سُرور

○

"مرتضیٰ کی تخلیقات سُبک خِرام اور نرم رو آب جُو ہے۔ جس کی پیاری پیاری رَوانیوں میں بچپن گاتا ہوا سُنائی دیتا ہے۔ بچّوں کے ادب کو ساحِل نے باعظمت بنایا ہے۔"

— پروفیسر قاضی عبدُ السّتار

www.taemeernews.com

ڈاکٹر ابن فرید

مرتضیٰ ساحل کا فن

مرتضیٰ ساحل تسلیمی صاحب کو میں ایک عرصہ سے جانتا ہوں۔ ادارۂ الحسنات کے مختلف رسائل کی ادارت اور بہت سی منظوم و منثور کتب کی تصنیف و اشاعت سے بھی آگاہ رہا ہوں۔ انھوں نے ابتدا سے ہی اپنا تخصص بچوں کے ادب میں کیا ہے۔ اس تخصص میں نفع بھی ہے اور نقصان بھی! نفع اس نوعیت سے کہ بچوں کے ادب کے میدان میں امکانات بہت سے ہیں کیوں کہ عام طور سے لکھنے والے اس ادبی محاذ کو لائقِ اعتنا تصور نہیں کرتے۔ نقصان سب سے بڑا یہ ہے کہ بچوں کے ادب کو جب اہمیت ہی نہیں دی جاتی تو اس صنف کے ادیبوں اور شاعروں کو بھی ادیب یا شاعر تصور نہیں کیا جاتا۔ اُردو ادب کی کسی تاریخ کو اٹھا کر دیکھ لیجیے، اس میں بچوں کے ادیبوں شاعروں کا کہیں کوئی ذکر نہ ملے گا۔ یہ صرفِ نظر بہت بڑا ادبی خسارہ ہے۔ ساحل صاحب نے "فائدوں" کو خواہ پیشِ نظر رکھا ہو یا نہ رکھا ہو لیکن خسارہ کا خطرہ ضرور مول لے لیا ہے۔ اسی وجہ سے میں اُن کی جرأت کی داد دیتا ہوں۔

کافی طویل عرصہ سے میں ان کی مختلف تحریریں ـــــ اداریے، کہانیاں، نظمیں، بچوں کے معیار و مزاج کے چھوٹے موٹے ناول ـــــ پڑھتا رہا ہوں۔ ان میں سب سے نمایاں وصف ان کا تعمیری و اصلاحی مزاج ہے۔ وہ انتہائی چابکدستی کے ساتھ اپنے ننھے منے قاری کے ذہن و ضمیر کو خدا پرستی، خیر، فلاح اور تعمیر کی طرف موڑ دیتے ہیں۔ اسی وجہ سے اُن کا کردار صالحیت پسند کا ہوتا ہے، مفاد پرست کا نہیں! اپنی کہانیوں اور ناولوں میں اس کوشش میں وہ بے حد کامیاب رہتے ہیں۔ فکشن کے اہم مطالبات یعنی تحیر و تجسس کا وہ بچوں کے ذہن کے مطابق اہتمام کرتے ہیں۔

www.taemeernews.com

نظموں میں عام طور سے اُن کا انداز مصلح کا ہوتا ہے۔ وہ اپنے موضوع کو ایچ پیچ کے ساتھ پیش نہیں کرتے بلکہ راست بیانی کو ترجیح دیتے ہیں۔ اس شعوری کاوش کی وجہ سے لوگ سمجھتے ہیں کہ وہ شاعر نہیں واعظ بن گئے ہیں حالانکہ ایسا نہیں ہے اور ایسا سمجھنے والے انصاف سے کام نہیں لے رہے ہیں۔ بچوں کا ذہن سادہ اور صاف گو ہوتا ہے ... اُسے مصلحت پسندی یا حدیثِ دیگراں کے رموز سے آگاہی نہیں ہوتی۔ اسی لئے وہ صرف وہی بات سمجھتے اور قبول کرتے ہیں جو یک سطحی ہو یا راست گوئی کی منظہر ہو۔ جو شعراء بچوں کے لئے مہمل گوئی اختیار کرتے ہیں وہ بچوں کے لئے ناکام شاعر ہوتے ہیں کیونکہ انھیں بچوں کے عرصۂ استفہام (SPAN OF APPREHENSION) کا شعور نہیں ہوتا۔ وہ بے معنی شعر گوئی کو یا ناہموار الفاظ کو باوزن کر دینے ہی کو بچوں کی شاعری تصور کرتے ہیں حالانکہ فنی لحاظ سے یہ بالکل غلط ہوتا ہے اصل شعر یا بچوں کی شاعری تو وہ ہے جو بچوں کی تفہیمی صلاحیت کو پیش رکھ کر کی جائے۔ لائقِ ستائش ہیں ساحل تسلیمی صاحب کہ انھوں نے بچوں کی فہم و فراست کا خیال رکھا ہے۔ بچوں میں اُن کی شعری کاوشوں کی مقبولیت کا راز بھی یہی ہے کہ بچے انھیں اپنے مزاج و فہم سے قریب پاتے ہیں۔

ساحل صاحب نے بڑوں اور عورتوں کے لئے بھی لکھا ہے۔ اس حلقہ میں اُن کے مخاطب وہ قارئین ہیں جن کی علمی استعداد محدود ہے۔ ہر چند کہ وہ اس میدان میں بھی کامیاب ہیں، میں اپنے تاثر کو اس حد تک توسیع دینا نہیں چاہتا کیونکہ میری توجہ فی الوقت اُن کی اُن تحریروں کی طرف ہے جو بچوں کے ادب سے متعلق ہیں۔

مجھے امید ہے کہ بچوں کے ادیب و شاعر کی حیثیت سے ساحل صاحب کی پذیرائی ہوگی۔ اللہ سبحانہٗ تعالیٰ انھیں اُن کی صالح نگارشات کا اجر عطا فرمائے۔ آمین!

www.taemeernews.com

پروفیسر ابوالکلام قاسمی

ساحلؔ کے فن کو خراجِ تحسین

مرتضیٰ ساحلؔ کی منظوم اور منثور تحریروں سے میری واقفیت بہت پرانی نہیں، تاہم میں نے اُن کی کہانیوں اور نظموں کے جو نمونے پڑھے ہیں، اُن کے وسیلے سے مرتضیٰ ساحلؔ کی شخصیت سے مجھے ایک خاص طرح کی دلچسپی پیدا ہوئی۔ خاص طرح کی، اسلیے کہ میں اُردو کے اُن معدودے چند لکھنے والوں کو جو بچوں کے ادب سے سروکار رکھتے ہیں، دوسرے لکھنے والوں کے مقابلے میں بڑی اہمیت دیتا ہوں ۔ اُردو زبان کا المیہ صرف یہ نہیں ہے کہ اُس کے حرف شناس روز بروز کم ہوتے جا رہے ہیں بلکہ یہ بھی ہے کہ اگر کوئی اِس زبان کی تعلیم کو عام بھی کرنا چاہے تو ہندوستان کی دوسری زبانوں کی طرح اُردو میں بچوں کا اَدب نہیں ملتا۔ یا اگر ملتا ہے تو اُس کی پیش کش کا معیار خاصا پست اور معمولی ہے۔ اسی لیے مرتضیٰ ساحلؔ کی تحریریں اُردو کی عام صورتحال میں یُوں بھی قابلِ توجہ بن جاتی ہیں اور اگر آپ بچوں کی نفسیات سے مرتضیٰ ساحلؔ کی شناسائی، بچوں کی عادات و اَطوار کو گہرائی سے دیکھنے اور محسوس کرنے کی اُنکی صلاحیت اور بچوں کے اندر تحیّر و تجسّس پیدا کرنے کے سلسلے میں اُن کی فنی مشق و ممارست کو سامنے رکھیے تو مرتضیٰ ساحلؔ کا شمار بچوں کے مُمتاز ادیبوں میں کرنا ہوگا۔

مجھے اس بات کی بھی مسرّت ہے کہ مرتضیٰ ساحلؔ پر اس کتاب کی اشاعت کی ذمہ داری ایک ایسے حوصلہ مند نوجوان نے قبول کی ہے جس کی ذہنی نشوونما مُرتضیٰ ساحلؔ کی تحریروں کے زیرِ اثر ہوئی ہے۔ اس سے یہ بھی اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ عزیزی مسلم غازی کی اِس کاوش میں اُن کے اس فطری رُجحان کا دخل ہے جو بچپن سے پڑھنے لکھنے اور کسی مخصوص ادیب سے مُتاثر ہونے کے نتیجے میں سامنے آیا ہے۔ میں اِن الفاظ کے ساتھ مرتضیٰ ساحلؔ تسلیمی کے فن کو خراجِ تحسین پیش کرتا ہوں اور عزیزی مسلم غازی کے رَدِّ عمل کو ایک خوش آئند رُجحان قرار دیتا ہوں ۔

www.taemeernews.com

اکبر علی خاں عرشی زادہ

میری رائے ہے کہ .....

بچوں کے لئے ادب تخلیق کرنا خاصا دشوار اور مہارت طلب کام ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس میدان میں قدم رکھنے والے بہت کم نظر آتے ہیں۔ جہاں تک میرے علم میں ہے نظم میں شاید سب سے پہلے مرزا غالب نے بچوں کے لئے دو غزلیں لکھی تھیں۔ پھر اس کے بعد تو کئی نام سامنے آئے جنھوں نے انگریزی نظموں کے تراجم اُردو میں کر کے بچوں کے لئے ادب تخلیق کرنے کے کام کو کچھ آگے بڑھایا لیکن ان میں سب سے اہم نام اسمٰعیل میرٹھی کا ہے جو شاید اُردو زبان میں بچوں کے سب سے بڑے ادیب بجا طور پر تسلیم کیے جاتے ہیں۔ اسمٰعیل میرٹھی کے کلام کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ بچوں کی نفسیات کے بہت بڑے پارکھ تھے۔ یہ ان کے کلام کی تاثیر ہے کہ دہائیوں پہلے لکھی گئی نظمیں آج بھی یکساں دلچسپی سے پڑھی جاتی ہیں۔ ہاں اس ذیل میں ایک نام اور بھی آتا ہے اور وہ ہے نظیر اکبر آبادی۔ انھوں نے خاص طور پر بچوں کے لیے تو کچھ نہیں لکھا لیکن ان کے کلام سے ایسا انتخاب کیا جاتا رہا ہے جو بچوں کی دلچسپی کا بھی ہے۔

گذشتہ نصف صدی میں جو نام بچوں کے ادب کے سلسلہ میں نمایاں رہے ہیں ان میں بحیثیت شاعر شفیع الدین نیّر، سیفی سیوہاروی اور رفیق احمد خاں کے نام لیے جا سکتے ہیں ان سب کے یہاں بچوں کے نقطۂ نظر سے بے حد دلچسپ تخلیقات ملتی ہیں۔ جدید تر لکھنے والوں میں جامعہ ملیہ کے سطوت رسول صاحب اور رام پور کے مرتضیٰ ساحل صاحب کے نام آتے ہیں۔ ان دونوں نے مختلف موضوعات پر بچوں کے لئے لکھا ہے اور خوب لکھا ہے۔ سطوت رسول صاحب

www.taemeernews.com

کا ایک مجموعہ شائع ہو چکا ہے لیکن مرتضیٰ ساحل صاحب کی تخلیقات رسائل میں بکھری پڑی ہیں ساحل صاحب مجھے بہت عزیز ہیں۔ میں نے ان سے کئی بار یہ خواہش ظاہر کی کہ وہ اپنے کلام کو یکجا کر کے شائع کر دیں اگر یکجا ممکن نہ ہو تو دو یا تین مجموعوں کی شکل میں۔ میں نے 'ہلال' وغیرہ میں ان کا کلام پڑھا ہے اور اسے اپنے بچوں کو سنا کر لطف لیا ہے۔ مجھے افسوس ہے کہ بچوں کی شاعری کے ذیل میں ان کا نام اس طریقے سے نہیں لیا جاتا جیسا لیا جانا چاہیئے۔ میری رائے میں اس حق تلفی کی تلافی بھی اسی صورت میں ممکن ہے جب ان کا کلام کتابی شکل میں آجائے۔ مجھے یقین ہے کہ وہ اس میدان میں کسی سے پیچھے نہیں رہیں گے۔ امید ہے کہ وہ میری اس خواہش پر ضرور توجہ دیں گے۔ یہ بات ان کے حق میں بھی فالِ نیک ہوگی اور بچوں کے حق میں بھی۔

---

www.taemeernews.com

محمد اعظم خاں
وزیر امداد باہمی و مسلم اوقاف ۔ اتر پردیش

نایاب ہیرا

میرے لئے یہ بات انتہائی مسرّت کی ہے کہ میرے ہی ایک دوست کی ادبی صلاحیت کے سلسلہ میں مُرتب کی جانے والی کتاب کے بارے میں مجھے بھی کچھ عرض کرنے کا موقع مِلا ہے، ساحل صاحب مختلف رُخی شخصیت کے مالک ہیں، ہمارے لئے اُن کی اہمیت ایک اچھے دوست، اچھے مشیر، اچھے سیاستداں اور آپ سب کے لئے باشعور ادیب کی ہے۔ مجھے ان کے ادب سے اُن کی ادبی صلاحیت سے براہِ راست استفادہ کا موقع نہیں ملتا جتنا ان کے پڑھنے والوں کو ملتا ہے۔ جب پہلی بار مجھکو یہ معلوم ہوا کہ ساحل صاحب کی "الحسنات" سے وابستگی ہے اور اس وابستگی کے تعلق سے ادارے کی جانب سے دی جانے والی ذمہ داریوں کا ان پر کتنا بوجھ ہے۔ یہاں تک کہ ساحل صاحب بیک وقت کئی رسالوں کو ترتیب دیتے ہیں اور ان سب کے جسموں میں اپنی صلاحیت کی روح پیوست کرتے ہیں تو یقیناً حیرت ہوتی ہے۔ لیکن اسی کے ساتھ ایک ایسے شخص سے اپنا گہرا تعلق ہونے پر خوشی بھی ہوتی ہے جو اتنی صلاحیتوں کا بیک وقت مالک ہو۔

عام طور پر دیکھا گیا ہے کہ باصلاحیت لوگ خشک مزاج ہوتے ہیں۔ لیکن ساحل صاحب کے ساتھ ان دونوں الفاظ کو جوڑنا ان کی پوری شخصیت کو کسی کونے میں کھڑا کر دینے کے مترادف ہے۔ تلوار بغیر نیام کے مکمل نہیں اور نیام بغیر تلوار کے بےمعنی ہے جس قلم کی نوک نہ ہو وہ سیٹھا تو کہلا سکتا ہے لیکن قلم کہلائے جانے کا مستحق اس وقت ہوگا جب اس کو تراش دیا جائے۔ ساحل صاحب کی خوش مزاجی ان کے فقرے بازی کے انداز، انتہائی

www.taemeernews.com

شائستہ مذاق اُن کی عملی تلوار کے لئے نیام کا کام کرتا ہے۔

"بچّوں کا ادب اور مُرتضیٰ ساحل" کے عنوان سے مرتب ہونے والی کتاب اِس بات کی عکاسی تو کرتی ہے کہ ساحل صاحب نے بچّوں کی تربیت اُن کی ذہنی تعمیر کے لئے جو ناقابلِ فراموش محنت کی ہے وہ ملّت کے نونہالان اور ان کے والدین کے لئے، ملّت اِسلامیہ کے لئے احسان کا درجہ رکھتی ہے۔ بچّہ جس کی مثال کچّی لکڑی سے دی جاتی ہے، جسے جس سمت میں چاہیں موڑ دیں۔ ساحل صاحب نے ملّت کے نونہالوں کو دینی، ملّی اور زمانے کے حالات کے پیشِ نظر ایک ایسی تربیت کی جانب راغب کرنے کی کوشش کی ہے جو اُنھیں کل کا اچھا انسان، اچھا مُسلمان بننے میں مددگار ثابت ہوگی۔ اُن کی برسوں کی محنت، دفتر میں رات دن موسم کا مقابلہ کر کے بدلے کی پرواہ کئے بغیر واپسی کی تمنا سے گریزاں ہوکر جو کچھ دیا ہے اس کی یقیناً واپسی تو نہیں ہوسکتی مگر سکونِ قلب اُن کو حاصل ہوگا کسی نامور ناکارہ شخص کو میسّر نہیں ہوسکتا۔ اکثر لوگ کم صلاحیت ہوکر بھی بڑے نام والے ہوتے ہیں کبھی موقعوں کی فراہمی، کبھی وسائل کی زیادتی، کبھی تعلقات کا نفع، یہ سب چیزیں مِل کر بونے لوگوں کو بھی بلند و بالا لوگوں کی صفوں میں کھڑا کر دیتی ہیں۔ آج کے اس نئے زمانے میں جہاں ملّت فروشی اور ضمیر فروشی کا دور دورہ ہو وہی لوگ معزز و محترم مانے جاتے ہوں، جو اپنے ضمیر کو اپنے سروں پر اٹھائے پھرتے ہوں اور جب کوئی بھی دام لگائے تو کسی کے بھی حوالے اس ٹوکری کو کر دیں۔ ایسے دردانگیز حالات میں بلاشبہ ساحل صاحب کو زمانے سے شکایت ضرور ہوگی کہ اُن کی خدمات کا صلہ لوگ اُنھیں نہیں دے سکے، لوگ اکثر اپنے آپ کو بیدار سمجھتے ہیں لیکن کس قدر تاریک ہے اُن کی زندگی اور اُن کا ذکر اور خود لوگ اُن سے کس قدر بیزار! کاش انہیں اپنی اِس حیثیت کا اندازہ ہو، ایسے ملّت فروشوں کی اور قوم کو رسوا کرنے والوں کی آج بھی کمی نہیں گلی گلی، محلّے محلّے، کوچے کوچے میر قاسم اور میر جعفر جو کہ صرف مثالوں کے نام ہیں آج ہر جگہ مل جائیں گے ــــ میں نے یہ ساری باتیں اس لئے نہیں لکھیں کہ ہر وقت اعتراضات کے پتھر اپنے ہاتھوں میں لئے رہتا ہوں بلکہ میرا مقصد اِس شخص کی تسلّی سے ہے، اُس کی

www.taemeernews.com

نسکین کے لئے یہ جملے میں نے کہے "تاکہ وہ اس تاریک دور میں جہاں انسانی قدروں کا فقدان ہے، وہ اپنے آپ کو اکیلا نہ سمجھے، وہ یہ نہ سمجھے کہ اکادمیوں کے ایوارڈ نااہلوں کو تو مل سکتے ہیں لیکن ایک باصلاحیت شخص اس سے اس لئے محروم رہتا ہے کیونکہ اس نے جو لکھا ہے اس میں حاکمِ وقت کی تعریف نہیں اور نہ ہی حالات سے سمجھوتے کی دعوت ہے اور نہ وہ ایسے دھارے میں بہہ جانا چاہتا ہے جسے لوگ راہِ نجات بنائے ہوئے ہیں، جس شخص کی اس کی زندگی میں اس کی تحریروں کی اتنی قدر ہو، جسے اللہ تعالیٰ نے اس کی زندگی میں یہ عزت بخشی ہو کہ لوگ اس کے قلم کی داد دیں تو ضرور ہی اس کی زندگی کے بعد لوگ اُسے 'نایاب ہیروں' میں شامل کر لیں گے۔

---

www.taemeernews.com

کیفؔ بھوپالی

صالح ادیب ۔ مرتضیٰ ساحلؔ

اُردو زبان اپنے تخلیق کاروں، نقادوں اور حامیوں کے اعتبار سے ہمیشہ طاقتور رہی ہے۔ مختلف زمانوں میں مختلف ہستیوں نے ناقابل فراموش ولازوال خدمات انجام دی ہیں مگر حیرت کا مقام ہے کہ ادیبوں اور دانشوروں کے اس ہجوم بیکراں میں جو گوشہ سب سے زیادہ تشنہ، نامکمل اور غیر آسودہ نظر آتا ہے وہ بچوں کا ادب ہے۔ نہ معلوم کن مصلحتوں یا مجبوریوں کے تحت یہ اہم ترین صنف ہمیشہ لاغر و کمزور رہی۔ مولانا اسمٰعیل میرٹھی اور علامہ اقبالؔ کی چند نظمیں اور نثر میں شفیع الدین نیرؔ کے علاوہ کوئی نمایاں وممتاز ہستی نظر نہیں آتی جس نے خود کو بچوں کے لئے وقف کر لیا ہو۔

اگرچہ گذشتہ ربع صدی سے ہمیں مائل خیرآبادی کی شخصیت دکھائی دیتی ہے جن کی بیشتر تخلیقات بچوں اور عورتوں کے لئے ہیں۔ نئی نسل کے جدید اُبھرتے ہوے ادیب و شاعر غالباً اس کمی کو محسوس کر رہے ہیں اور ان ادیبوں میں سب سے زیادہ بلند آہنگ مضبوط و پراعتماد آواز مرتضیٰ ساحلؔ تسلیمی کی نظر آتی ہے جو فی الحقیقت بچوں کے ادب کے لئے مخصوص ہو کر رہ گئے ہیں۔ ان کے لب ولہجہ میں جو پختگی اور حقیقت پسندی کے عناصر شامل ہیں ان کی وجہ سے وہ اپنے ہم عصروں سے کافی آگے دکھائی دیتے ہیں۔ تقریباً بیس سے زیادہ کتابیں جو کہانیوں کے مجموعوں پر مشتمل ہیں، طبع ہو کر خراج تحسین حاصل کر چکی ہیں مگر افسوس کہ وہ موجودہ زمانے کے پروپیگنڈے اور خود نمائی کے فن سے ناآشنا ہیں۔ اخباروں کے مدیر صاحبان اور ریڈیو، ٹی وی کے ارباب اقتدار سے ان کے ذاتی وخصوصی تعلقات نہیں ہیں۔ اگر وہ اس فن کے ماہر ہوتے اور اُردو اکیڈمیوں کے مقرب خاص

www.taemeernews.com

ہوتے تو آج ایک ممتاز اور بچّوں کے واحد ادیب کی حیثیت سے شمار ہوتے۔

۳۶ سال کا یہ نوجوان جو اُردو ادب سے ایم۔اے۔ بی ایڈ ہے ادارۂ الحسنات سے شائع ہونے والے رسائل "ہلال و نور" کی ادارت سے وابستہ ہے۔ موصوف کی پہلی نظم نور ڈائجسٹ میں ۱۹۷۲ء میں شائع ہوئی۔ اور پہلی کہانی ۱۹۷۴ء میں شائع ہوئی۔ بنیادی طور پہ شاعر ہونے کے باوجود ابھی تک ان کا کوئی شعری مجموعہ منظر عام پر نہیں آسکا۔

مرتضیٰ ساحل تسلیمی بچوں کا ایک اسکول ہیں جن کے ٹکسال میں نظم، کہانی، افسانہ اور لطیفے تمام سکّے ڈھالے جاتے ہیں۔ ان کا دعویٰ ہے کہ نہ صرف شاعری بلکہ اُردو کہانی بھی ہندی سے کہیں آگے ہے۔ ان کا احساس کرب نئی نسل کو فراموش کرنے پر سراپا احتجاج ہے وہ کہتے ہیں آزادی کے بعد اُردو کا گلا دبا دیا گیا۔ ہندی لازمی ہوگئی۔ پھر بھی ہندی ادب پر کوئی مسلمان نمایاں نہ ہوسکا جبکہ اُردو میں کئی غیر مسلم افراد نمایاں طور پر نظر آتے ہیں۔ یہ اُردو کی عالمگیریت کا بیّن ثبوت ہے۔ تسلیمی صاحب ہر صنف میں تعمیری و اصلاحی پہلوؤں کو مرکزیت دیتے ہیں۔ ان کا خیال ہے کہ "میں ادب برائے زندگی" کا قائل ہوں مگر میں عشقیہ افسانے نہیں لکھتا۔ میرے افسانوں میں ہیرو ہیروئن کا آزادانہ اختلاط نہیں ہوتا۔ ایک دوسرے کا ہم آغوش ہونا بہت دور کی بات ہے میرے خیال میں ان کو دو صدی قبل پیدا ہونا چاہیئے تھا۔ آج کے عریاں اور خش ادب پر بھلا ایسا صوفی اور صالح ادیب چل سکتا ہے؟

مجھے ان کی تخلیقات کو اکثر پڑھنے کا اتفاق ہوا ہے اور میں دعویٰ سے کہہ سکتی ہوں کہ اس دور میں خاص مقاصد کے تحت لکھنے والا وہ بچوں کا واحد ادیب ہے جو بچوں کے ادب کے تعلق سے ٹھوس اور مضبوط فکر بھی رکھتا ہے۔ اس کا ذہن کافی زرخیز ہے وہ محض روایتی ادیب و شاعر نہیں ہے بلکہ ملک کے مسائل پر گہری نظر رکھتا ہے اس کا تخلیقی شعور اتنا پختہ ہے کہ کوئی وقتی حادثہ اس پر اثر انداز نہیں ہوسکتا۔ وہ سمجھتا ہے کہ راستہ دشوار ہے مقابلہ سخت ہے۔ خوشامد چاپلوسی اور تعلقات ادبی ترقی کا زینہ بن گئے ہیں اور وہ تہی جام ہے مگر وہ مایوس نہیں ہے۔ یہ کہا جاسکتا ہے کہ یہ شخص بچوں کا اسمٰعیل میرٹھی اور شفیع الدین نیّر بن سکتا ہے!!

---

www.taemeernews.com

وصی اقبال

نیک جذبوں کا ادیب

آج کے دور میں بُرے اور گندے ماحول سے بچانے کے لئے سماج سے الگ رہ کر پسِ دیوار بچّوں کی پرورش نہیں کی جا سکتی۔ لیکن موجودہ معاشرہ کی زہرناکیوں کے خلاف جس قدر ممکن ہو بچّوں کی ذہنی تربیت و اصلاح کا کام کرنا ضروری ہے۔ اصلاح و تربیت کا کام تبھی ممکن ہے کہ بچّوں کی نفسیات سے آگاہی حاصل ہو۔ بچّوں سے دوستانہ رشتے استوار ہوں اور ہم اُن کے دوست بننے کی صلاحیت کے حامل ہوں۔

ان مقدس اور پاکیزہ جذبوں اور احساسات کی حامل اور نئی نسل کے بگاڑ پر مضطرب و بے چین شخصیت کا نام ہے 'مُرتضیٰ ساحلؔ تسلیمی'۔

مرتضیٰ علی خاں ۳۰؍جون ۱۹۵۲ء کو رامپور کے ایک معزز روہیلہ پٹھان خاندان میں جناب مُصطفیٰ علی خاں کے یہاں پیدا ہوئے۔

سابق ریاست رامپور کے عام مُسلمان گھرانوں کی طرح تعلیم کی ابتدا ۴ سال کی عمر سے رسمِ بسم اللہ کے بعد شروع ہوئی۔ ابتداً ایک دینی مدرسہ مصباح العلوم میں داخل ہوئے۔ شروع ہی سے ذہن پر یہ احساس حاوی رہا کہ دلچسپی اور محنت و لگن کے ساتھ علم کا حصول سب کی خوشی کا باعث ہوتا ہے۔ والدین اور اساتذہ کے علاوہ اعزہ و اقارب بھی بڑی قدر کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔

اعلیٰ تعلیم کی ابتدا عصری تعلیم سے ہوئی۔ عصری تعلیم انسان کے کردار و عمل اور فکر و نظر کو پاکیزہ بنانے کے بجائے اس کو صرف حصولِ معاش میں تعاون دیتی ہے اور یہ تعاون اکثر اوقات انسان کو اپنے سماج میں باعزت مقام عطا کرتا ہے۔ ساحلؔ صاحب کو بھی ہمیشہ اپنے سماج میں ایک باعزت

www.taemeernews.com

شاعری کے لئے وقف کر دیا۔

ساحل صاحب کے اندر شعر گوئی کا ملکہ تھا ہی، جب ادارہ الحسنات سے وابستہ ہوئے تو نثر میں بھی لکھنے لگے۔ ابتدا رسائل کے اداریوں سے کی اور پھر باقاعدہ کہانیاں لکھنا شروع کر دیں شاعری میں کچھ دن جناب کامل تسلیمی سے اور چند ایک تخلیقات کی حد تک جناب ابوالمجاہد زاہد سے استفادہ کیا۔ لیکن نثر لکھنے میں کسی کے مرہونِ منت نہیں رہے۔ اور غالباً ادارہ الحسنات میں رہتے ہوئے اس کی ضرورت بھی نہیں تھی۔ ادارہ الحسنات کا علمی و ادبی پاکیزہ ماحول اور مولانا مرحوم کے دل کی اتھاہ گہرائیوں میں اُتر جانے والے پرخلوص مشورے اور ہدایتیں۔ اب ساحل صاحب کو اپنی نثری تخلیقات کے لئے کس سے اصلاح و مشورہ کی ضرورت تھی۔ نظموں کے ساتھ ساتھ کہانیاں بھی بچوں کے لئے لکھنے لگے اور خوب لکھنے لگے۔ اب مقصد کے ساتھ "ضرورت" بھی وابستہ ہو گئی تھی۔ اپنے نام سے بھی لکھا اور دوسرے کے نام سے بھی لکھا۔ ادارہ الحسنات سے شائع ہونے والے بچوں کے رسائل نور اور ہلال کے لئے لکھا اور ادارہ سے الگ رسائل کلیاں، کھلونا، ٹافی اور پیامِ تعلیم کے لئے بھی نظمیں لکھیں۔

بچوں کے لئے مسلسل اور بے تکان لکھنے کے سبب ساحل صاحب باقاعدہ بچوں کے شاعر اور بچوں کے کہانی کار ہو گئے۔

ساحل صاحب نے پورے طور پر اب اپنے آپ کو بچوں کے لئے وقف ہی کر دیا ہے۔ نثر میں رسائل کے لئے مسلسل بہت سی کہانیاں لکھنے کے علاوہ تقریباً دو درجن کتابوں کے مصنف ہو چکے ہیں۔

جلوس (ناولٹ) بھولو راجا (ناولٹ) بدلہ، بچھو، توبہ، نٹ کھٹ، رحمدل ہاتھی، لالچی گیدڑ، سمجھدار گدھا، مددگار چوہا، ڈاکٹر بندر، شیر کا انصاف، صبح کا بھولا، گھوڑے کی دم، یک نک مکار لومڑی، کھوٹی اٹھنی، نقلی سورما، شام کا بھولا، نرم ٹہنی، واپسی اور گھمنڈی مور۔

نظم میں تین کتابیں زیرِ ترتیب ہیں اور دو کتابیں 'نوری نظمیں حصہ اوّل اور حصہ دوم ابھی حال میں شائع ہوئی ہیں۔

ساحل صاحب کی نثری تخلیقات پر، بچوں کے ادب کے حوالے سے گفتگو کرنے سے پہلے

www.taemeernews.com

مقام حاصل کرنے کی خواہش رہی ہے۔

ادارہ الحسنات میں ملازمت کی ابتدا بحیثیت پارٹ ٹائم کلرک سے ہوئی۔ لیکن بھرپور محنت، کام سے والہانہ دلچسپی کے باعث آہستہ آہستہ اوقاتِ کار اور ذمہ داریوں میں اضافہ ہوتا گیا اور ایک سال کے اندر ہی محترم ابوسلیم محمد عبدالحئی صاحب مرحوم مالک ادارہ الحسنات کی جوہر شناس نظروں نے "ہیرے" کو پہچان لیا۔

اُن کی جوہر شناس نظروں نے ساحل صاحب کو نہ پہچانا ہوتا اور اُنھیں اُن کی صلاحیتوں اور رجحان کے مطابق آگے بڑھنے کے وسائل فراہم نہ کئے ہوتے تو وہ آج ملک اور بیرون ملک ایک بڑے حلقے میں علم و ادب کے جس مقام بلند پر فائز ہیں۔ وہ یقیناً انھیں حاصل نہیں ہوتا۔

بہرحال اب ہیرا جوہری کے ہاتھ لگ گیا تھا۔ اور مخلص جوہری نے ہیرہ کو تراشنے، خراشنے اور اس کی چمک و دمک میں نمایاں اضافہ کرنے کی جو بھی امکانی کوششیں اور طریقے تھے، سب استعمال کئے اور ساحل صاحب جلد ہی پارٹ ٹائم کلرک سے ادارۂ الحسنات سے شائع ہونے والے پانچ مکمل رسائل کے مرتب (مدیر) بنا دیئے گئے۔

ساحل صاحب کی ادبی زندگی کا آغاز شاعری سے ہوا۔ ابھی ساتویں کلاس میں تھے کہ شعر کہنے لگے۔ ساحل تخلص اختیار کیا۔ ابتدا میں فلمی گیتوں کی پیروڈیاں لکھیں۔ لیکن سب سے پہلے شائع ہونے والے اشعار ایک تعزیتی قطعہ کی شکل میں تھے۔ پھر غزل گوئی کا سلسلہ شروع ہوا۔ طنزیہ نظمیں اور قطعات کہے۔

ساحل صاحب نے جس وقت رامپور کے ادبی ماحول سے وابستگی اختیار کی تو یہاں پر بھی شاعری لفظ و بیان سے آگے کا نام نہیں تھا۔ خوب مشاعرے ہوتے تھے۔ نثری اور شعری محفلیں جمتی تھیں لیکن شاید کسی نے شعوری طور پر مقصدیت کی طرف توجہ کی ہو۔ ان حالات میں ساحل صاحب اپنے ماحول سے کیسے اچھوتے رہتے۔ لیکن بھلا ہو مولانا عبدالحئی کا کہ انھوں نے ساحل صاحب کو اپنی شعر گوئی کے لئے بامقصد بنانے کا انتہائی نیک مشورہ دیا اور انھوں نے فوراً ہی اس کو مضبوطی کے ساتھ اپنی گرہ میں باندھ لیا۔ بعد ازاں بچوں کی شاعری کی جانب متوجہ کیا۔ ساحل صاحب کے لئے یہ مشورہ بھی بہت مفید اور بامقصد تھا۔ انھوں نے اپنے آپ کو بچوں کی

www.taemeernews.com

میں چاہتا ہوں کہ اُن کی زندگی کا ایک نقش آپ کے سامنے اور لے آؤں۔

ساحل صاحب متحمل پانچ رسائل کے ترتیب کار، والدین خاص طور سے والدہ "اماں" کے انتہائی فرمابردار اور خدمت گزار بیٹے، ایک تعلیم یافتہ بیوی کے پسندیدہ شوہر، چار ننھے منے بچوں شمامہ، شمائلہ، فراز اور شگوفہ کے مشفق باپ، عزیز و رشتہ دار اور دوست و احباب کے انتہائی مخلص دوست، معاون و مددگار اور میونسپل بورڈ رامپور کے ایک باایمان، عوامی خدمت کے جذبے سے سرشار اور بہت زیادہ محنتی اور فعال ممبر!

میں اکثر سوچتا ہوں کہ یہ شخص اتنی بہت ساری ذمہ داریوں کو انتہائی خوش اسلوبی کے ساتھ کس طرح پورا کر پاتا ہے۔ اس سلسلہ میں جب میں نے ساحل صاحب سے ایک بار معلوم کیا کہ اتنی بہت سی ذمہ داریوں کو کیسے پورا کرتے ہیں؟ تو انھوں نے بہت اطمینان سے بتایا:

"جب کام بہت سے ہوں اور وقت کم ہو تو ساری ذمہ داریوں کو نظام الاوقات کے بغیر پورا نہیں کیا جا سکتا۔ چونکہ اب میونسپل کمشنر کی حیثیت سے بھی میری ذمہ داریاں بڑھ گئی ہیں۔ اس لئے میں نے اوقات کو اس طرح ترتیب دیا ہے۔ صبح ۶ بجے سے ۹ بجے تک وارڈ کے عوامی مسائل میں مصروف رہتا ہوں۔ ۹ بجے صبح تا ۷ بجے شام ادارہ الحسنات سے متعلق کام مکمل کرتا ہوں۔ دس بجے تک ڈھائی تین گھنٹے اہل خانہ کے ساتھ گزارتا ہوں۔ میری ہمیشہ یہی کوشش رہتی ہے کہ متعلقین میں سے کسی ایک کا بھی کوئی حق ادا ہونے سے نہ رہ جائے۔ خصوصاً والدین کے حقوق کی ادائیگی میرے لئے سب سے بڑی سعادت کی بات ہے۔ بس وہ مجھ سے خوش اور مطمئن رہیں۔

ادارہ الحسنات سے متعلق کاموں کا چارٹ بنا لیا ہے۔ تاکہ ہر کام وقت پر پابندی کے ساتھ ہو سکے۔ ظاہر ہے کہ ایک ماہ میں پانچ رسائل کو سارے مراحل طے کر کے پریس پہنچنا ہوتا ہے اور ایک رسالہ کو پانچ دن سے زیادہ کا وقت نہیں ملتا۔ اس لئے ایک سلسلہ سا رہتا ہے۔ ہنگامی حالات میں بعض اوقات اس نظام الاوقات میں تبدیلی بھی ہو جاتی ہے۔ اور اولین ضرورت کے مطابق کام انجام دینے پڑتے ہیں۔"

میں نے ساحل صاحب کی بے پناہ مصروفیات کا ایک مجمل سا خاکہ صرف اس لئے آپ کے سامنے رکھا ہے کہ معلوم ہو سکے کہ آج کے زمانہ کا ایک فنکار اپنے فن کو اپنے عمل اور تجربات سے

www.taemeernews.com

کس قدر وابستہ رکھتا ہے۔

میرے نزدیک الفاظ اپنے کوئی معنیٰ نہیں رکھتے۔ الفاظ کو قوت و معنویت صرف کردار سے حاصل ہوتی ہے اور کردار عمل اور تجربات کی بھٹی سے گزر کر سامنے آتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ساحل صاحب کی کوئی شعری تخلیق ہو، بچوں کے لئے لکھی گئی کوئی کہانی ہو یا پھر کسی رسالہ کا کوئی اداریہ! پورے طور پر اصلاحی ہونے کے باوجود کبھی ایک خشک اور کھوکھلے وعظ کی شکل نہیں اختیار کرتا۔ وہ خواتین کے ڈائجسٹ ماہنامہ "بتول" کے ایک اداریہ میں لکھتے ہیں:

"یہ بہت بدتمیز ہوگیا ہے۔ اب میں اس سے بات نہیں کروں گی۔" "ارے اس معصوم کے کیوں سر ہو رہی ہے۔ تو بھی اس ناسمجھ کے برابر ہو گئی۔" "تم مت بولو اس معاملہ میں اماں! یہی عمر تو سیکھنے کی ہے۔" اور چار سال کا بچہ مجرم کی حیثیت میں منہ بسورے کھڑا تھا۔ اور میں خود کو بھی اس بچے سے کم قصوروار نہیں سمجھ رہا تھا۔ جس نے مجھے "آپ" کے بجائے "تم" سے مخاطب کیا تھا۔ بچہ کی ماں مجھ سے عمر اور رشتہ دونوں میں چھوٹی ہیں۔ جب بچہ اِدھر اُدھر ہو گیا تو میں نے اُن سے کہا۔ "آپ اپنے بچے کو ادب اور سلیقہ سکھانا چاہتی ہیں نا!" "جی!" اُنھوں نے کہا۔ "تو پھر آپ کو نمونہ بن کر دکھانا ہوگا۔ محض نصیحتوں اور تنبیہہ سے کام نہیں چلے گا۔" وہ میری اس بات پر سراپا سوال بن گئیں اور میں نے اپنی بات پوری کرنے کے لئے کہا۔ "آپ بچہ سے کہہ سکتی تھیں، آپ بہت بدتمیز ہو گئے ہیں، میں آپ سے بات نہیں کروں گی۔ یہ تو خیر آپ کا بچہ تھا۔ آپ نے اپنی ماں سے بھی "تم" سے خطاب کیا۔ اور اُنھوں نے بھی تم کہہ کر جواب دیا۔ حالانکہ ان سبھی جگہ "آپ" کہنا زیادہ مناسب تھا۔"

گھر کی فضا جب "تم" اور "تو" کی تکرار سے رچی بسی ہو تو پھر بچے سے "جناب" کی توقع کیسی؟"

آج ہمارے معاشرہ کا سب سے بڑا المیہ یہی ہے کہ ہم ہمیشہ دوسروں سے بھلائی کے خواہاں ہوتے ہیں اور اپنی ذات کو اس بھلائی اور خیر سے بے نیاز رکھتے ہیں۔ اسی وجہ سے ہماری

www.taemeernews.com

زندگیوں میں تضاد پیدا ہوگیا ہے اور اس تضاد نے ہمیں کھوکھلا بنا دیا ہے۔ الفاظ کے معنی ختم ہو گئے ہیں۔ قوت و تاثیر نے دم توڑ دیا ہے۔

واعظیں لمبے لمبے وعظ بیان کرتے ہیں۔ مقررین طول طویل اور پرجوش تقریریں کرتے ہیں۔ شعراء اور ادبا اپنی تحریروں میں الفاظ کو اسلوب بدل بدل کر استعمال کرتے ہیں۔ جو صرف ایک طرح سے الفاظ کی شان و شوکت کا مظاہرہ ہوتا ہے لیکن ساحل صاحب بے روح الفاظ سے کھیلنے کے بجائے اپنی تحریر میں معنویت پیدا کرتے ہیں اور یہ معنویت اُن کی تحریر کو جاندار اور پر تاثیر بناتی ہے۔ وہ سماج کی دین کی بنیادوں پر اصلاح چاہنے کے باوجود، واعظ و تبلیغ کا ایک لمبا دفتر کھول کر نہیں بیٹھ جاتے بلکہ بامعنی الفاظ اور ایک مختصر سی تحریر کے ذریعہ ہماری روح کی گہرائیوں میں اُتر جانے کی کوشش کرتے ہیں۔ ہمیں صحیح صورت حال سے واقف کرا کر میدانِ عمل میں لا کھڑا کرتے ہیں۔

چنانچہ ایک اور اداریہ میں لکھتے ہیں:

"آپ سوچ رہی ہوں گی کہ یہ مرثیہ پڑھنے سے کیا فائدہ ہوگا۔ یہ سارے مسائل تو ہمیں معلوم ہی ہیں۔ ہم کیا کریں؟

بے شک، بظاہر حالات اتنے مایوس کُن ہیں کہ مذکورہ مسائل کا کوئی حل سمجھ میں نہیں آرہا ہے۔ لیکن مایوسی تو کفر ہے۔

ہم دین و ملت کے لئے کوئی بڑی قربانی نہیں دے سکتے۔ لیکن ہم اتنا تو کر ہی سکتے ہیں کہ جو لوگ ان مسائل سے نمٹنے کے لئے کوشاں ہیں اُن کی تائید کریں۔ اپنی حیثیت کے مطابق انھیں تعاون دیں۔ اپنے بچوں کو گھر پر ہی اُردو پڑھائیں تاکہ ہماری "زبان" زندہ رہے۔

انھیں اسلام کا تعارف کراتے رہیں۔ خود بھی نماز پڑھیں اور بچوں کو بھی تاکید کریں نمازوں کے اوقات میں ٹی۔ وی بند رکھیں خواہ کتنا ہی دلچسپ پروگرام کیوں نہ آرہا ہو ــــ تاکہ۔

اسلام سے واقفیت کے امکان روشن ہو جائیں۔ ہماری مسجدیں ویران نہ ہوں کہ کوئی قبضہ کرلے۔ دُنیاوی فائدے کے لئے ہم اپنے شرعی معاملات عدالتوں میں

www.taemeernews.com

نہ لے جائیں۔ رفقاء کے تعاون سے باہم تصفیہ کی کوئی صورت پیدا کریں۔
اگر ہم اپنے اور اپنے نونہالوں کے لئے اتنا بھی نہیں کر سکتے ۔۔ تو پھر ہمارا اللہ ہی حافظ ہے ۔"

اداریوں کے ذریعہ بہنوں، بچیوں اور ماؤں سے مخاطب ہو کر اُن کے اندر جوش عمل اور قوتِ عمل پیدا کرنا بہت ضروری ہے تاکہ حالات کی سنگینی سے نمٹنے اور اسلامی معاشرے کو کفر کے گندے اور غلیظ دامن میں جانے سے بچانے کے لئے سماج کا ایک اہم عنصر ہونے کے باعث مسلمان عورت اپنا صحیح کردار ادا کر سکے۔ لیکن اس کے ساتھ ہی یہ بھی ضروری ہے کہ ہم آج کے ننھے منے بچوں اور آنے والے کل کے باہمت، پرجوش اور انقلابی نوجوانوں سے بے تعلق نہ رہیں۔

ساحل صاحب کہتے ہیں کہ بچپن میں دینی تعلیم سے بہت فائدہ حاصل ہوا گو کہ میں بہت زیادہ دینی تعلیم حاصل نہ کر سکا لیکن پھر بھی اُس زمانے میں جو کچھ سیکھ لیا۔ اُس نے میرے کردار کی تشکیل میں بڑا نمایاں رول ادا کیا۔ اگر بچے کا مزاج ابتدا ہی سے دینی سانچے میں ڈھال دیا جائے تو مستقبل میں اس کا بہت فائدہ محسوس ہوتا ہے۔ مجھے اصلاحی و تربیتی کہانیوں اور اسلامی تاریخ کی بعض شخصیات کی زندگیوں کے واقعات نے بہت متاثر کیا ہے۔

مجھ سے بھی ایک مرتبہ ایک ادیب مولانا نے فرمایا تھا۔ وصی اقبال صاحب، ہم جو باتیں اپنے اپنے مضامین میں بیان کرتے ہیں، بالکل وہی باتیں آپ اپنی کہانیوں کے ذریعہ پیش کرتے ہیں۔ لیکن ہماری کتابیں کوئی بچہ اُٹھا کر بھی نہیں دیکھتا اور آپ کی کہانیوں کی کتابیں خوب ذوق و شوق سے پڑھتے ہیں۔ خود میرے اپنے گھر میں بھی ایسا ہی ہوتا ہے۔

اب میں یہ نہیں کہہ سکتا کہ ساحل صاحب نے اپنی ابتدائی زندگی کے تجربات سے تحریک حاصل کی ہے یا میری طرح اُنھیں بھی کسی حقیقت پسند شخصیت نے بچوں کے لئے ننھی منی کہانیاں لکھنے اور بچوں سے براہِ راست مخاطب ہونے کی طرف توجہ دلائی ہے۔

ساحل صاحب نے آج کے بچوں اور آنے والے کل کے جوانوں کو صالح اور پاکیزہ بنانے کے لئے ایک اچھے میڈیم، کہانی کو اپنے پیشِ نظر رکھا ہے اور بچوں کے لئے بہت سی کہانیاں لکھی ہیں۔ یہ کہانیاں کئی رسالوں میں شائع ہونے کے علاوہ اب کتابی شکل میں بھی آچکی ہیں۔

www.taemeernews.com

کسی بھی صنفِ تحریر میں دو باتیں بنیادی اہمیت کی حامل ہیں۔ کیا کہا گیا ہے اور کیسے کہا گیا ہے۔ یعنی مقصد اور اسلوبِ تحریر! اور ان دونوں باتوں کی اس قدر اہمیت ہے کہ ان سے صرفِ نظر نہیں کیا جا سکتا۔ چنانچہ بچوں کے لئے لکھی گئی، ساحل صاحب کی کہانیوں کا جب اس اعتبار سے جائزہ لیا جاتا ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ ہر کہانی ایک واضح مقصد کے تحت اور زبان و بیان کے بہترین اسلوب میں تحریر کی گئی ہے۔ ظاہر ہے کہ جب مقصد واضح ہو، اسلوبِ بیان بہتر اور دلنشیں ہو تو پھر قاری کا متاثر ہونا یقینی ہے۔ غرض جس طرح ساحل صاحب کی تحریریں بڑوں کے لئے بامقصد اور بامعنی ہو کر کردار کی اصلاح کا اہم ترین ذریعہ بن رہی ہیں بالکل اسی طرح اُنکی چھوٹی چھوٹی تمثیل کے پیرائے میں لکھی گئی کہانیاں بھی اپنی دلچسپی اور اثر آفرینی کے باعث بچوں کے درمیان پڑھی جاتی ہیں اور اصلاحِ حال کا اہم ترین فریضہ انجام دے رہی ہیں۔ بلکہ اب ان ننھی منّی کہانیوں کی مقبولیت کا یہ عالم ہے کہ ساحل صاحب سب کے شاعر و ادیب ہونے کے باوجود بڑی حد تک صرف بچوں کے ادیب و شاعر کی حیثیت سے پہچانے جانے لگے ہیں۔ جو میرے نزدیک بچوں کے ادب کے لئے ایک نیک فال ہے۔

www.taemeernews.com

عتیق جیلانی سالک

بچّوں کا شعری ادب اور ــــ مرتضیٰ ساحل

ایک ادبی محفل میں بچوں کے ادب پر بحث ہو رہی تھی۔ مختلف نظریات کے ادیب موجود تھے۔ ایک گروپ ترقی پسندوں اور جدیدیت کے پیروکاروں کا تھا دوسرا جمالیات کا تیسری جماعت اخلاقی اقدار کے پاسداروں کی تھی۔

ایک ڈاکٹر صاحب نے کہا کہ :

ہر لکھی ہوئی بات کو ادب نہیں قرار دینا چاہیئے بلکہ ادب کا اطلاق ان تحریروں پر کیا جائے جو اس کے تقاضے پورے کرتی ہوں۔ مثلاً ہم فقہ اور حدیث یا مذہبی کتابوں کو ادب کیسے کہہ سکتے ہیں۔ انھوں نے یہ بھی کہا کہ اگر ان چیزوں کو ادبی زمرے میں لیا جائے تو پھر اس وقت کے سب سے بڑے ادیب مولانا مودودیؒ اور سید ابوالحسن علی ندوی بن جائیں گے اور یہ صحت مند نظریہ نہیں ہوگا۔

دوسرے حلقہ کی رائے تھی کہ جمالیات کے بغیر ادب کا تصور ہی بے کار ہے۔ عشقیہ شاعری اس کی مقبولیت کی دلیل ہے وغیرہ وغیرہ۔

ڈاکٹر صاحب نے مجھے مخاطب کر کے کہا کہ آپ کی کیا رائے ہے اگر ہم اپنے ادب کو دوسری زبانوں کے مقابلے میں لانا چاہتے ہیں تو خاص طور پر روسی لٹریچر کے طرز کو اپنانا ہوگا۔

میں نے عرض کیا کہ یہ صحیح ہے کہ عام تحریروں اور ادبی شہ پاروں میں فرق ہوتا ہے لیکن مذہبی کتابیں بھی ادب کے دائرے سے خارج نہیں کی جا سکتیں۔ اُردو کا ابتدائی ادب مذہبی تصانیف پر ہی مشتمل ہے۔ علاوہ ازیں وہ مولانا مودودی اور مولانا علی میاں ہوں یا آریہ سماجی مصنفین، اگر

www.taemeernews.com

ان کی تصانیف میں بلاغت، فصاحت اور ادب کا نکھرا ہوا حسن موجود ہے تو اسے ادبی شہ پارہ قرار دینا چاہیئے۔ رہا مسئلہ بچوں کے ادب کا تو یہ بہت بہتر ہوگا کہ ہم اسے بھی عالمی زبانوں کے مقابلے میں لانے کی کوشش کریں لیکن اگر اس سے مراد آپ کی یہ ہے کہ اخلاقیات اور اصلاحِ معاشرہ کو نظرانداز کر کے صرف سائنس کے رموز و نکات بچوں کو پڑھا دیئے جائیں یا صرف دل بستگی کا سامان مہیا کر کے رنگین تصاویر کے ذریعہ اوٹ پٹانگ بے مقصد کہانیاں سنائی جائیں تو میری ناچیز رائے میں یہ مناسب نہیں ہوگا۔ یوں تو میں ادب میں جدید عصری حسیت کو فروغ دینا بہتر سمجھتا ہوں لیکن یہ بھی ضروری ہے کہ ہم اپنی مذہبی اور اخلاقی قدروں کی پاسداری کریں۔ ادیب کو سماج کا ایک فرد ہونے کے ناطے اپنے معاشرے کی اصلاح کا بھی فرض انجام دینا چاہیئے۔ آج ہمارا معاشرہ جس پراگندگی اور اخلاقی زوال کا شکار ہے اس کے پیشِ نظر یہ بہت ضروری ہوگیا ہے کہ ہم بچوں کا ایسا ادب تخلیق کریں جس کے مطالعے سے بچوں کی تربیت ہوسکے۔ بامقصد اور صحیح رجحان پیدا کرنے والا ادب اگر ادبی شہ پارہ اور دلچسپی کی شرائط بھی پوری کرتا ہے تو سونے پر سہاگہ ہے۔ اس میں سائنس اور دیگر معلوماتی باتیں بھی شامل ہوں تو اور بھی اچھا ہے۔"

اسی محفل میں "رام پور میں بچوں کا ادب" کے موضوع پر بھی گفتگو ہوئی۔ ایک طنز نگار ادیب نے اپنے مقالے میں دو تین ادیبوں کا تذکرہ کر کے بات ختم کر دی۔ میں نے عرض کیا کہ رام پور میں یوں تو بچوں کے لئے بہت کچھ لکھا گیا ہے اور ہم انھیں نظرانداز نہیں کر سکتے، لیکن گزشتہ تیس۳۰ برسوں میں ابوالمجاہد زاہد، مائل خیرآبادی، سحر رام پوری، شاہد اعجاز، خلیل محمودی، شاہد محمود، وصی اقبال اور تبسم نشاط کے علاوہ خود اس بندۂ ناچیز نے بھی تھوڑا بہت لکھا ہے۔ مگر آپ کی فہرست میں مرتضیٰ ساحل تسلیمی کا نام شامل نہ ہونے سے ایک بڑی کمی کا احساس ہو رہا ہے۔ اس بات کو صاحبِ مضمون نے تو تسلیم نہیں کیا لیکن دیگر شرکائے محفل نے تائیدی کلمات کہے۔

مرتضیٰ ساحل کو میں لگ بھگ بیس۲۰ برسوں سے جانتا ہوں۔ زبیر گستاخ کے مکان پر ان سے غالباً پہلی ملاقات ہوئی تھی۔ ماجد رمن، مہوش نظامی، زبیر گستاخ، اختر رضوی اور مرتضیٰ ساحل کے علاوہ راقم السطور وغیرہ نے "انجمن ترقی پسند مصنفین رام پور" کا قیام کیا تھا۔

www.taemeernews.com

اس انجمن کو رام پور کے ترقی پسند دانشوروں کے علاوہ ہر مکتب فکر کے ادبا و شعرا کا تعاون حاصل تھا۔ ہم لوگوں نے فیصلہ کیا تھا کہ شاعر کو شاعروں کے ذریعہ کافی داد مل جاتی ہے، لیکن نثر نگار اس سے محروم رہ جاتا ہے۔ اس لیے اس بات کی شدید ضرورت ہے کہ نثری ادب کو فروغ دے کر ادیبوں خصوصاً افسانہ نگاروں کی حوصلہ افزائی کی جائے۔ جہاں تک مجھے یاد پڑتا ہے یہ تجویز مرتضیٰ ساحل نے ہی رکھی تھی اور اس بات کو عام طور پر پسند کیا گیا تھا۔

مرتضیٰ ساحل نے یہ بھی کہا تھا کہ ہماری انجمن اس لئے ترقی پسند نہیں ہے کہ ہمیں کمیونسٹ نظریات کی تبلیغ کرنا ہے بلکہ اس انجمن میں ہر قسم کے صحت مند نظریات پیش کیے جا سکیں گے اور دوسروں کو فراخدلی کے ساتھ انھیں سننا ہوگا۔

لیکن افسوس کہ یہ سلسلہ زیادہ عرصہ قائم نہ رہ سکا، اور مرتضیٰ ساحل سے ملاقاتیں تواتر سے نہ ہو پائیں۔

ایک دن اچانک پتہ چلا کہ ادارہ الحسنات سے چچا بائل خیرآبادی نے الگ ہو کر اپنا رسالہ "حجاب" نکال لیا ہے اور الحسنات میں ڈاکٹر نجات اللہ صدیقی، مولانا منہاج الدین مینائی، سید مستفیض الحسن، اسعد اسرائیلی کے علاوہ مرتضیٰ ساحل تسلیمی کام کر رہے ہیں۔ دو ایک مرتبہ وہاں جانے کا اتفاق ہوا تو ملاقات بھی ہوئی۔

رام پور میں کچھ نوخیز شعرا نے ایک ادبی انجمن "بزم گنگ و جمن" کے نام سے قائم کی اور مجھ ناچیز کے سر اس کی سرپرستی منڈھ دی۔ میں نے اپنے حلقۂ احباب کو تعاون کے لیے آمادہ کیا اور ہزاروں روپے کا چندہ بھی جمع کروایا۔ مگر بڑی کا ایک شاطر سارا روپیہ ہضم کر گیا۔ پھر بھی کچھ سرپھرے نوجوان سرگرم رہے۔ اس سلسلے میں ایک مرتبہ میں نے مرتضیٰ ساحل سے تعاون کی اپیل کی۔ انھوں نے نہ صرف انکار کیا بلکہ مجھے سمجھایا بھی "عتیق بھائی! مجھے تو انجمن آرائی بالکل پسند نہیں۔ میں تو انفرادی طور پر کام کرنا اچھا سمجھتا ہوں۔ انجمن میں پارٹی بازیاں کچھ نہیں کرنے دیتیں، لوگ ساری قوت آپس میں لڑنے میں ہی صرف کر دیتے ہیں ہم تو اپنی ذات سے ہی انجمن ہیں۔ ذاتی طور پر لکھتے پڑھتے رہو اور چھپتے رہو۔ ایک دن دنیا خود ہی تسلیم کر لے گی۔

میں اب سوچتا ہوں کہ ان کی بات کتنی ٹھیک ہے۔ انھوں نے ادبی دنیا کے ہنگاموں

www.taemeernews.com

سے زیادہ تر الگ رہ کر واقعی اپنا مقام بنالیا ہے۔

لیکن انسان کتنا ہی الگ تھلگ رہے اسے کبھی نہ کبھی اُلجھنا ہی پڑتا ہے۔ ہوا یہ کہ "بزم گنگ وجمن" نے صولت پبلک لائبریری میں "شب افسانہ" منعقد کرنے کا پروگرام بنایا لیکن مالی وسائل فراہم نہ ہو پانے کی وجہ سے ہم لوگ ناکام رہے۔ ایک دوسری ادبی انجمن "رائٹرز کلب" نے شب افسانہ کا عنوان پسند کرکے اپنے زیر اہتمام ٹاؤن ہال میونسپل بورڈ میں اچھے پیمانہ پر منعقد کرایا۔ لیکن ہم لوگوں نے بھی اس میں شرکت کی تھی۔ اس موقع پر مرتضیٰ ساحل سے میں نے بانیان پروگرام کے افسانوں پر جس رائے کا اظہار کیا اس سے انھوں نے اتفاق کیا تھا۔ میں نے کہا تھا کہ اس پروگرام میں افسانے بہت کم تھے اور زیادہ تر مضامین کو بطور افسانہ پیش کیا گیا ہے۔ ان لوگوں میں کم از کم اتنا تو شعور ہونا ہی چاہیئے کہ افسانہ کیا ہے اور مضمون کیا ہے۔

انسان بعض اوقات تعلقات کی بنا پر اپنے نظریہ میں لچک پیدا کرنے پر مجبور ہو جاتا ہے۔ کچھ شخصیات ایسی ہوتی ہیں جن کے زور دینے سے موقف میں لچک پیدا کرنی پڑتی ہے۔ مشہور سیاست داں شوکت علی خاں ایڈوکیٹ اور خصوصاً مولانا ابوالمجاہد زاہد کے کہنے سے وہ سماجی وادبی تنظیم "کارواں" کے پروگراموں میں وہ اپنا کافی ٹائم دینے لگے۔ مگر وہی ہوا جس کا ڈر تھا۔ طریقۂ کار میں اختلاف ہونے کی وجہ سے انھیں علیحدگی اختیار کرنی پڑی۔ مگر لاکھ پوچھنے پر ان لوگوں کے نام نہیں بتائے جن سے ناراض تھے۔ نہایت خاموشی سے الگ ہوئے اور مجھ سے کہا کہ آپ کام کرتے رہیئے۔ لیکن مجھے امید نہیں ہے کہ لوگ آپ کی خدمات کو تسلیم کرلیں گے۔

اس کے بعد کارواں کی رفتار سست ہونے لگی۔ گزشتہ پروگراموں میں اس کی "ادبی کمیٹی" کے زیر اہتمام شب افسانہ کا انعقاد ہوا۔ میں اس پروگرام کا کنوینر تھا۔ میں نے محسوس کیا کہ "شب افسانہ" ہر سال منعقد ہونا چاہیئے۔ اس خیال سے متاثر ہوکر شکیل الزماں صدیقی نے ایک نئی تنظیم "بزم ہم قلم" بنائی اور اس کے جلسوں میں مجھے اور ساحل کو بطور مہمان مدعو کیا۔ اس موقع پر راقم الحروف نے اپنے نوخیز ادباء کی تخلیقات سُن کر اپنے تاثرات کا اظہار کیا۔ میں نے کہا کہ "داستان، ناول اور کہانی میں بنیادی فرق ہوتا ہے۔ داستان میں داستانوی خصوصاً

www.taemeernews.com

طلسم وسحر کا ماحول ناول میں زندگی کی حقیقتیں اور کہانی میں کوئی واقعہ پایا جاتا ہے لیکن افسانہ کی افسانویت اور کہانی کے کہانی پن کو نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔ میں نے یہ بھی کہا کہ ہمیں منی کہانی منی افسانچے کا نام دینا چاہیئے۔ کیونکہ بعض اوقات اُس میں کہانی پن نام کو بھی نہیں ہوتا۔ اس کے باوجود منی افسانچے نہایت مقبول ہو رہے ہیں۔

صدر جلسہ کی حیثیت سے مرتضیٰ ساحل نے میری تقریر کے ابتدائی حصے کی تائید کرتے ہوئے آخر میں کہانی کے کہانی پن پر زور دیا لیکن میرے خیال میں بعض سکہ بند نقادوں کی طرح افسانے اور کہانی کے فرق کو نظر انداز کر دیا۔ میں سوچتا ہوں کہ یہ لوگ کہانی اور افسانے کو گڈمڈ کر کے دیکھتے ہیں خود انھوں نے کافی تعداد میں کہانیاں اور افسانے وغیرہ لکھے ہیں۔ بچوں کے لیے طویل اور مختصر کہانیوں کے کئی مجموعے شائع بھی ہو چکے ہیں اس لیے اکثر افسانوی مقابلوں میں جج کے فرائض بھی ادا کرتے رہے ہیں۔ چنانچہ ایک ادبی انجمن کی جانب سے جب افسانوی مقابلہ ہوا تو راقم اور ایس فضیلت، تبسم نشاط کے علاوہ مرتضیٰ ساحل بھی اس کے جج تھے۔ اس موقع پر بھی ہمارے درمیان کسی حد تک انہیں نظریات کی خلیج نے حائل ہونے کی کوشش کی۔ نظریات کا فیصلہ اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ ہمارے تعلقات پر اثر انداز نہیں ہو سکا۔ میں نے محسوس کیا ہے کہ مرتضیٰ ساحل ایسا موقع ہی نہیں آنے دیتے بلکہ ہمیشہ مسکراہٹوں کے چراغ جلائے نہایت انکساری اور وضعداری سے دوستی نبھاتے رہتے ہیں۔ یہ خوبیاں اُن میں کہاں سے پیدا ہوئیں؟ اس بارے میں خود انھیں کا بیان ہے کہ:

'میری ذہنی تربیت میں آبا محترم (مولانا محمد عبدالحی صاحب مرحوم و مغفور) کا سب سے بڑا ہاتھ ہے۔ ان سے ملاقات سے پہلے کی تخلیقات کو میں عہدِ جاہلیت کی خرافات قرار دیتا ہوں اور اسے میں نے ضائع کر دیا ہے۔

..... میرے ایک سوال کے جواب میں انھوں نے بتایا کہ مجھے بچپن ہی سے شاعری کا شوق تھا۔

ایک دن ہوٹل میں کامل تسلیمی صاحب سے میری ملاقات ہوئی۔ جنھوں نے اپنے مشوروں سے نوازا۔ جو حضرت علامہ بدر تسلیمی کے شاگرد تھے ۔ ساحل نے بتایا کہ یہاں سے 'بچوں کا ہلال'

www.taemeernews.com

جاری ہوا تو میں ایک نظم "ابّو کھلونے لائے" لے کر دفتر میں حاضر ہوا۔ یہ میری آباجان (عبدالحیؒ صاحب) سے پہلی ملاقات تھی۔ نظم پڑھ کر انھوں نے فرمایا ــــ "عام طور پر شاعروں کی تعداد بہت زیادہ ہے۔ اس لیے ان میں نمایاں مقام حاصل کرنا مشکل ہے اور اگر ہو بھی گیا تو جیسے اور بہت سے شاعر ہیں ویسے ہی آپ بھی ہوں گے۔ لیکن "اسلامی ادب" میں لکھنے والے بہت کم ہیں۔ اس لائن پر محنت کرنے سے آپ کی انفرادیت بھی رہے گی اور دین کی خدمت بھی ہوگی۔ بات دل کو لگتی تھی، میں نے فیصلہ کیا کہ اسی انداز پر کام کروں گا۔"

مرتضیٰ ساحل کی بات سُن کر مجھے خود اپنا واقعہ یاد آگیا۔ میں نے انھیں بتایا کہ اس سے تقریباً ملتی ہوئی حالت میری بھی تھی۔ میں "نور" میں ایک کہانی چھپوانے کے لئے دفتر میں لایا تھا۔ چچا مائل خیرآبادی اور چچا عبدالحیؒ صاحب وہاں تھے۔ وہ کہانی انھوں نے رکھ لی اور یہی سب مجھ سے بھی کہا ــ "اسلامی ادب" میں لکھنے والوں کی کمی ہے وغیرہ وغیرہ ــ لیکن آپ میں اور مجھ میں فرق یہی ہے کہ آپ نے اس قیمتی نصیحت کو گرہ میں باندھ لیا اور فائدہ اٹھایا مگر میں ان انمول رتن سے محروم رہ گیا۔

مرتضیٰ ساحل نے سلسلۂ کلام جاری رکھتے ہوئے بتایا کہ میری نظم غالباً اگست ۱۹۷۳ء کے "بچوں کا ہلال" میں چھپ گئی اور میری حوصلہ افزائی کا باعث بنی۔ ایک دن آبا محترم نے کچھ موضوعات دے کر مختلف نظمیں لکھ کر لانے کے لیے کہا اور میں نے اسی وقت بیٹھ کر سات سات شعر کی کئی نظمیں کہہ ڈالیں....."

میری گزارش پر مرتضیٰ ساحل نے "بچوں کا ہلال" کے کچھ پرانے شمارے دکھائے۔ ان میں سے مندرجہ ذیل عنوانات میں نے نوٹ کیے۔

"غبارے والا، میں ڈاکٹر بنوں گا، پھیری والا، بڑھے چلو، چور سپاہی، مل جل کر کھاؤ، ریل چلائیں، گڑیا، پھل کھائے، پیارے گڈو سوجا، عید آئی، کاغذ کی ناؤ، میری امّی، میری باجی وغیرہ۔"

مذہب و اخلاق کی بالادستی کے ساتھ ان منظومات میں موضوع کا تنوع پایا جاتا ہے اور ہم انھیں کئی حصوں میں تقسیم کر سکتے ہیں۔ مثلاً موسمیات، اخلاقیات، سماجیات،

www.taemeernews.com

معاشیات، سائنس وغیرہ برسات، بادل، گرمی، بارش وغیرہ۔ موسموں کی نمائندگی کرتی ہیں۔ آم، انار، خربوزہ وغیرہ۔ پھلوں کی اور تاج محل، جامع مسجد، لال قلعہ، کعبہ وغیرہ عمارات کی۔

انھوں نے منظوم پہیلیاں بھی کثرت سے لکھی ہیں۔ ان میں "بتاؤ"، ریل، جہاز، سورج اور کبوتر وغیرہ نہایت دلچسپ ہیں۔

ان کی منظوم کہانیوں کی تعداد بھی خاصی ہے۔ ان میں چڑیا کی کہانی، مینڈک اور چوہا وغیرہ انتہائی سبق آموز اور مزے دار منظوم کہانیاں ہیں۔

اس کے علاوہ رسالہ 'نور' میں بھی ان کی کافی تخلیقات چھپ چکی ہیں۔ سب سے پہلے جنوری ۱۹۸۸ء کے شمارے میں بچوں کی 'رباعیات' شائع ہوئیں جنھیں بہت پسند کیا گیا۔ اس کے بعد محنت کا پھل، پچھتاوا، واپسی، دوستی، شرافت، سورج، کئی منظومات نور میں اشاعت پذیر ہوئیں۔ نور کی اشاعت زیادہ ہونے کی وجہ سے مرتضیٰ ساحل کی شہرت کا دائرہ بے حد وسیع ہوگیا چونکہ کلام میں پختگی و روانی بھی بڑھ گئی اس لیے انھوں نے نہ صرف نظم نگاری کی بلکہ بچوں کے ذہن کی مناسبت سے نئے شعری تجربات بھی کیے۔ یہاں تک کہ ان کی نثر میں بھی شعر کا حسن تلاش کیا جانے لگا۔ وہ بنیادی طور پر شاعر ہیں اسی لیے میں نے کئی نثری تحریروں پر غور کیا تو محسوس ہوا کہ یہ نثر پارے معمولی سی تبدیلی کے بعد نثری نظم بن سکتے ہیں۔ یہاں طوالت کے خوف سے عبارت پیش نہیں کر رہا ہوں۔

ان منظومات میں ایک قدرِ مشترک ہے اصلاحِ معاشرہ۔ میرے ایک سوال کے جواب میں انھوں نے کہا کہ "میری بالکل ابتدائی تحریریں خالص دنیاداری کی تھیں۔ میں نے اُس وقت یہ سوچا بھی نہ تھا کہ مجھے اللہ تعالیٰ نے کسی خاص مقصد کے لیے دنیا میں بھیجا ہے۔ بس سستی شہرت حاصل کرنے اور نام نہاد ترقی پسندی کی دوڑ میں آگے بڑھ کر مادیت کی پرستش کرنے کو میں بھی سب کچھ سمجھ رہا تھا لیکن اللہ کا شکر ہے کہ ابا جان نے میری آنکھیں کھول دیں اور اب میں اپنی بساط بھر یہی کوشش کر رہا ہوں کہ صراطِ مستقیم پر چلتا رہوں۔

میں نے ان سے پوچھا کہ "مجھے تعجب ہے کہ آپ نے اتنی جلدی آسان راستہ چھوڑ کر

www.taemeernews.com

مشکل راہ اختیار کرلی۔ اوّل تو جس کو دیکھیے غزل گوئی کا مرد میداں نظر آتا ہے۔ آپ نہ صرف نظم نگاری پر کمربستہ رہے بلکہ بچوں کا ادب تخلیق کیا اور اس میں بھی اسلامی فکر کو ملحوظِ خاطر رکھا۔ اس کے علاوہ آپ کی منظومات میں بچوں کی فطری استعداد، ذہنی نفسیاتی کیفیات، عادات اور خصائل کا خیال رکھا ہے۔ اس کے علاوہ ان کو عصرِ حاضر کے مسائل و سائنسی انکشافات و ایجادات کے بارے میں بھی مفید معلومات فراہم کی گئی ہیں۔ میرے خیال میں اس نہج سے لکھنے والے اُردو میں تو کیا ہندی اور دوسری علاقائی زبانوں میں بھی خال خال ہی ہوں گے۔ پھر ان منظومات کی تعداد بھی خاصی وقیع ہوگئی۔ اکثر شعرا کا کل سرمایہ پچیس تیس غزلوں سے زیادہ نہیں ہوتا اور وہ دو تین منتخب غزلیں ہر مشاعرے میں پڑھتے پھرتے ہیں اور اس میں بھی ان کے سامنے الفاظ محاورات بلکہ زندگی کا کینوا اس بے حد مختصر ہوتا ہے وہ علامتی ادب کے نام پر چند مخصوص علائم کے گرد محصور ہوکر رہ جاتے ہیں۔ مگر مرتضیٰ ساحل نے غزل اور نظم دونوں میدانوں میں جم کر لکھا ہے۔ انھوں نے اپنی پرانی تخلیقات کو عہدِ جہالت کی یادگار کہہ کر ضائع کر دیا ہے اور اب حال یہ ہے کہ صرف ۲۰۰ نظمیں تو صرف ہلال میں موجود ہیں اور دوسرے رسالوں میں الگ رہیں۔ ان منظومات کی زبان و بیان سادہ و دل نشین ہے۔ ایک اور خصوصیت جو ان میں پائی جاتی ہے ان کا ایک ادبی پس منظر ہے۔ جس کے ساتھ بچوں کی معصوم خواہشوں کا خیال رکھتے ہوئے انھیں کم معلومات سے یا معلوم اشیا سے نامعلوم اشیا کی طرف لے کر جاتا ہے۔ وہ بھی اس طرح کہ جو کچھ ہم سکھا رہے ہیں وہ کسی قدر مشکل ہونے پر بھی بچوں کو آسان معلوم ہو۔ اس طرح وہ محض ایک شاعر نہیں ایک معلّم کا بھی فریضہ ادا کرتے ہیں انھوں نے عام طور پر بچوں کی دلچسپی کے عنوانات کو منتخب کیا ہے۔ پتنگ بھی ایسی ہی چیز ہے۔ مثلاً ؎

ایک لڑکے کا نام ہے ابرار
اس سے کرتا نہیں کوئی بھی پیار
دن بھر اس کو نہیں ہے کوئی کام
کھیل ہی کھیلتا ہے صبح و شام

www.taemeernews.com

پہلے وہ بھی ایک اچھا لڑکا تھا
اچھے لڑکوں کے ساتھ رہتا تھا
عادتیں اب کہاں وہ پہلی سی
حرکتیں اب عجیب ہیں اس کی
وقت پر مدرسے کو جاتا تھا
شوق سے وہ نماز پڑھتا تھا
اس سے کوئی بھی اب نہیں راضی
وہ ہے میداں ہے اور پتنگ بازی
یوں تو ہر کھیل اس کو آتا ہے
شوق سے وہ پتنگ اُڑاتا ہے
کاٹ دیتا ہے جو پتنگ اس کی
خوب ہوتی ہے اس سے جنگ اس کی

مندرجہ بالا نظم کے ذریعہ نیکی اور بدی کا نہایت خوب صورتی کے ساتھ موازنہ کیا گیا ہے اور بچوں کی دلچسپی کے لیے پتنگ کو بنیاد بنا کر کارآمد باتیں بتائی گئی ہیں۔

اس نظم کو پڑھ کر بچوں میں برے اور بھلے کی پہچان تو پیدا ہوگی ہی یہ بھی معلوم ہوگا کہ مدرسے جانا اور شوق سے نماز پڑھنا ضروری ہے اور یہی ایک اسلامی مفکر و اخلاقی شاعر کا بنیادی مقصد ہے۔

"ایک مکالمہ" کے عنوان سے ایک چھوٹے مگر نہایت اہم واقعہ کی طرف توجہ دلائی گئی ہے۔

"اسکول میں پڑھنے والا ایک اچھے کردار کا لڑکا کہتا ہے ؎

میں ہوا تیار جب اسکول جانے کے لیے
آ گئے کچھ دوست مجھ کو ورغلانے کے لیے
ورغلانے والے دوستوں نے کہا:

www.taemeernews.com

تم ہمارے ساتھ کھیلنے چلو لیکن میں نے انھیں بتایا کہ امتحان قریب ہے اور مجھے اچھے نمبروں سے پاس ہونا ہے۔ اس پر میرے ساتھیوں نے میرا مذاق اُڑایا اور کہا ؎

تم کتابوں سے رہو جھک مارتے، ہم تو چلے
ڈال کے ٹپکے رسیلے آم کھانے کے لیے

اب میں نے انھیں پھر سمجھایا کہ دوستو! میری بات غور سے سنو، دیکھو امتحان قریب آچکا ہے۔ کھیلنے کے لیے ہمارے پاس فرصت نہیں ہے۔ آخر ماں باپ نے ہماری تعلیم و تربیت کے لیے اتنے روپے خرچ کیے ہیں ؎

فیس ماہانہ، کتابیں، کاپیاں اور یونی فارم
خرچ وہ کتنا اٹھاتے ہیں، پڑھانے کے لیے

اس طرح لڑکوں کی سمجھ میں بات آجاتی ہے اور ؎

بات میری کاٹ کر ان میں سے اک کہنے لگا
شکریہ اے دوست! یہ سب کچھ بتانے کے لیے
جا رہے ہیں ہم کہ اب اسکول جانا ہے ہمیں
ہم تو شرمندہ ہیں چھٹی کے بہانے کے لیے

اٹھارہ اشعار کی اس نظم میں مکالماتی زبان کے ذریعہ نہایت خوبصورت انداز میں تعلیم کی اہمیت و افادیت واضح کر دی گئی ہے۔ مزید اس سے یہ صورت حال بھی سامنے آتا ہے کہ اگر بگڑے ہوئے ماحول کو سنوارنے کی کوشش کی جائے تو اس میں کامیابی ہو سکتی ہے۔ اس کے لیے داعی کے اندر خود اعتمادی اور اپنے مشن پر جمے رہنے کا حوصلہ ہونا ضروری ہے۔

اس نظم میں مقصدیت کے علاوہ جو چیز متاثر کرنے والی ہے وہ اس کا آہنگ ہے۔ شاعر نے نہ صرف ردیف و قافیہ کا بھی نہایت خوب صورت اور برجستہ استعمال کیا ہے بلکہ یہ ایک منظوم مکالمہ ہونے کے باوجود حسنِ تغزل اور ترنم کا بھی مرقع ہے۔

بعض اوقات تخلیق کار شاعر کم اور ہادی زیادہ نظر آتا ہے۔ ایسا بسا اوقات مجبوری کیا جاتا ہے۔ کیونکہ اصل مقصد شعر گوئی نہیں اصلاحِ معاشرہ ہوتا ہے۔ ایک ہی چشمہ سے

www.taemeernews.com

ہر چیز کو دیکھنے والے اسے محض برائے شعر گفتن کہہ لیں مگر یہ تخلیقات ان سے بہر حال بہتر ہیں جو معاشرہ میں بگاڑ پیدا کرتی ہیں۔ ظاہر ہے کہ جب ہمارا سماج پستی اور گمراہی میں جا رہا ہو تو ایک حساس اور ذمہ دار شاعر و دانش ور کا فرض ہو جاتا ہے کہ وہ اپنے قلم سے حالات کا رُخ موڑنے کی کوشش کرے۔ مرتضیٰ ساحل نے "بچوں کی غزل" بھی لکھی ہے اسے ملاحظہ فرمائیں ؎

چاہیے اس دور میں ہم علم سے غافل نہ ہوں
بندۂ مومن بنیں ایمان سے جاہل نہ ہوں
ہوں عادتیں جن کی بری سمجھائیں انکو پیار سے
تا چھوڑنا وہ عادتیں ان کے لیے مشکل نہ ہوں
محنت جو کرتے ہی نہیں رہتے ہیں وہ پیچھے سدا
ہر کام محنت سے کریں کاہل نہ ہوں کاہل نہ ہوں
ہم دوستی ان سے کریں، پڑھنے کے جو شوقین ہوں
جو بھاگتے ہوں علم سے ان میں کبھی شامل نہ ہوں
ساحل رہِ اسلام پہ ہوں ہم ہمیشہ گامزن
نفرت کریں ہم شرک سے بدعت کے ہم قائل نہ ہوں

جیسا کہ عرض کیا گیا مندرجہ بالا غزل غزل کم اور نصیحت نامہ زیادہ معلوم ہوتی ہے لیکن منجملہ دیگر باتوں کے ایک وجہ یہ بھی ہے کہ غزل کا ہر شعر الگ معنی رکھتا ہے اس لیے ہر شعر میں علیحدہ بات کہنی تھی اور ظاہر ہے کہ وہ نصائح کے علاوہ کیا ہوتی؟

ایک اور بھی جواز ہے کہ اگر اس مفروضے کو صحیح تسلیم کر لیا جائے تو ڈاکٹر اقبال جیسے مشاہیر اور فلسفی شعراء پر بھی انگشت نمائی کی جرأت ہو سکتی ہے کیوں کہ ان کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ فلسفی پہلے ہیں اور شاعر بعد میں۔ پھر بھی ان کے شاعر ہونے سے کسی کو انکار نہیں ہو سکتا۔

مرتضیٰ ساحل نے موضوعات کے انتخاب کے علاوہ بعض جگہ مشکل پسندی میں بھی اپنا مقام بنایا ہے اور وہ اپنے تجربات میں ثابت قدم بھی رہے ہیں جبکہ اس قسم کی شاعری کرنے یا اس میں کامیابی سے ہمکنار ہونے کے لیے اساتذۂ فن کو بھی پھونک پھونک کر چلنا پڑتا ہے۔

www.taemeernews.com

بظاہر بات سادہ ہے کہ بچے اپنے ابو صاحب کے ساتھ چڑیا گھر گئے اور وہاں جو کچھ انھوں نے دیکھا اس کا حال بچے کی ہی زبان سے بیان کر دیا گیا ہے لیکن اگر اس بچے کی زبان میں لکنت ہو تو ایسی صورت میں واقعہ کو نظم کرنا اکثر کوہ کندن کاہ برآوردن ہو جاتا ہے۔ اس کے باوجود اس سنگِ گراں کو مرتضیٰ ساحل کس طرح اٹھاتے ہیں اسے "ہکلی غزل" میں ملاحظہ فرمائیں۔

پہ پہ پچھلے ماہ چچا کے گھر ل ل لکھنؤ تھے گئے ہوئے

لے لے ایک دن چ چ چڑیا گھر ا ابو کے ہمیں گئے

چ چ چڑیا گھر ب بہت بڑا کہ کئی گ گھنٹے ہمیں لگے

ک کبھی ادھر، ک کبھی ادھر چ چ چلتے چلتے تھ تھک گئے

ج ج جانور ب بہت سے تھے، د د دیکھ کر جنھیں ڈ ڈر لگے

م مگر لگے تھے ز زور سے کہ اا اونچے اونچے ب بار ہے

اا اونٹ تھے، ب ب بیل تھے، ز ز ریچھ تھے، ٹ ٹ ٹائیگر

ہ ہ ہاتھی تھے گ گ گینڈے تھے، ہ ہرن، گ گھوڑے تھے اور ببر

ب ب بارہ سنگھا، بھ بھیڑیا کہ کنگا رو اور تہ تیندوا

س س سانپ تھے کہیں رینگتے کہ گ گھاس چرتا کہیں گدھا

م م مرغیاں، ب بطخیں، ہ ہنس م م مور تھے ن ن ناچتے

ب ب بلبلیں ک ک کوئلیں، ک ک کوّے طوطے ہرے ہرے

ب بڑا اا اچھا لگا ہمیں ش ش شام تک وہاں رہے

م م میوزیم د د دیکھ کر ل ل لوٹ کر اا آ گئے!

اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا ایک مسلمان کے لیے نہایت ضروری ہے لیکن آج اس نے اللہ تبارک تعالیٰ کی عبادت سے منہ موڑ لیا ہے جس کی وجہ سے زندگی کے ہر شعبے میں ذلت و رسوائی سے دوچار ہونا پڑ رہا ہے اور نئی نسل تو خدائے واحد کی پرستش سے بہت ہی دور ہوتی جا رہی ہے۔ اس لیے ضرورت اس امر کی ہے کہ قوم کے نونہالوں میں ابتدا ہی سے ایک اللہ کی بندگی کے جذبات پیدا کیے جائیں۔ چھوٹے بڑے کی تمیز، حقوق و آداب کا پاس و لحاظ، یہ تمام خوبیاں بچوں میں

www.taemeernews.com

اُجاگر کرنا نہایت ضروری ہے۔ اسی مقصد کو سامنے رکھ کر مرتضیٰ ساحل نے بچوں کی فطری صلاحیت کی مناسبت سے مندرجہ ذیل حمد لکھی ہے ؎

خدایا تو سُن لے ہماری دعا
نہیں کوئی معبود تیرے سوا
رہیں اب نہ ہرگز مصیبت میں ہم
ہمیشہ رہیں عیش و راحت میں ہم
بدی سے ہمیشہ رہیں دور ہم
سدا نیکیوں پر ہوں مامور ہم
کسی سے نہ کچھ خوف کھایا کریں
فقط تیرے قہر و غضب سے ڈریں
ہمیشہ رہِ حق میں بڑھتے رہیں
ترقی کے زینہ پہ چڑھتے رہیں
بزرگوں کو پہلے کریں ہم سلام
کریں بعد میں ان سے کوئی کلام
ترے حکم پر ہی چلیں ہم سدا
بُرے راستوں سے ہمیں تو بچا

عام قاری کے لیے یہ نظم محض قافیہ پیمائی یا صرف نصیحت و تلقین کا پلندہ ہو سکتی ہے لیکن وہ لوگ شاید یہ نہیں جانتے کہ بامقصد شعر گوئی خصوصاً حمد و نعت میں ایک شاعر کو اپنا کتنا خون پسینہ کرنا پڑتا ہے۔ بقول علامہ اقبال ؎

کہ خونِ صد ہزار انجم سے ہوتی ہے سحر پیدا

اُردو ادب میں پہیلیاں لکھنے کا رواج اب ختم ہو گیا ہے۔ لوگ پرانی پہیلیاں کہہ کر ہی دل بہلا لیتے ہیں۔ حضرت امیر خسرو کی پہیلیاں آج بھی زبان زد ہیں۔ بظاہر یہ وقت گزاری کا وسیلہ ہے لیکن حقیقت میں یہ فن خصوصاً بچوں کی ذہنی نشو و نما اور دماغی ورزش کے لیے ٹانک کا کام کرتا

www.taemeernews.com

اگر ہمارے موجودہ ادیب و شعراء اس طرف توجہ دیں تو اُردو کی فنا ہوتی ہوئی اس صنعت کے تنِ مُردہ میں نئی جان پڑ سکتی ہے۔

مرتضیٰ ساحل نے اس میدان میں سبقت حاصل کی ہے اور نہایت آسان زبان میں ایسے الفاظ کے ذریعہ پہیلی کے جواب تک رسائی کی کوشش کی ہے جس سے بچے اگر تھوڑا سا ذہن پر زور دیں اور انھوں نے وہ چیز کبھی دیکھی ہو تو بآسانی اسے پہچان سکیں۔ مثلاً ؎

تم نے مجھ کو دیکھا ہوگا
لوہے کی اک چڑیا جیسے
سب کے من کو بھانے والا
سب کو اچھا لگنے والا
پیٹ بڑا ہے دُم لمبی ہے
میرے سر پہ ایک پھرکی ہے
اُڑتا ہوں میں گھرگھرگھر
لوگ سفر کرتے ہیں مجھ پر
بچو میرا نام بتاؤ

ایک اور پہیلی اس طرح ہے ؎

س : سب کے آتا ہوں کام کون ہوں میں
یاد ہے میرا نام کون ہوں میں
و : وقت جونہی سحر کا ہوتا ہے
بس ارادہ سفر کا ہوتا ہے
ر : رات کو میں نظر نہیں آتا
چل کے میں شام تک ہوں تھک جاتا
ج : جب بھی اپنی نظر اٹھاؤ گے
تم مجھے آسماں پہ پاؤ گے

www.taemeernews.com

جاننا ہو اگر مجھے بچو!
ج، ر، و، س میں ڈھونڈو

چنانچہ ج: ر، و، س کی ترتیب اُلٹی کر کے س، و، ر، ج کر دی جائے تو "سورج" ہو جائے گا. سورج میں وہ تمام خوبیاں موجود ہیں جو پہیلی میں گنائی گئی ہیں. یعنی سب کے کام آنا سحر کے وقت اس کا سفر شروع ہوتا ہے اور دن گزار کر جب رات آتی ہے تو وہ غائب ہو جاتا ہے.

اسی طرح ایک اور پہیلی میں فرماتے ہیں:

چ۔ چار حرفی ہوں کام ہے میرا
دور کرنا جہاں سے اندھیرا

ا۔ اور یہ بات بھی بتا دوں میں
لمپ یا لالٹیں نہیں ہوں میں

ن۔ نور ہی نور ہو مرے دم سے
تیرگی دور ہو مرے دم سے

د۔ دوستو! دن میں خوب سوتا ہوں
رات بھر ڈیوٹی پہ ہوتا ہوں

د، ا، چ ہوں اور ن ہوں میں
لیکن انگلش میں صرف مون ہوں میں

اب بچہ اپنے دل میں حساب لگا سکتا ہے کہ چار حرفی کون سی شے ہوگی جس سے اندھیرا دور ہوگا اور وہ لیمپ یا لالٹین بھی نہیں ہوگی. پھر وہ رات کو ہی دکھائی دے گی.

اگر اب بھی ذہن کی رسائی نہیں ہوئی تو د، ا، چ اور ن کو صحیح ترتیب سے رکھیے اور نہ رکھ سکیں تو انگلش میں 'مون' ظاہر ہے کہ 'چاند' کے لیے آتا ہے.

سورج اور چاند کی پہیلیوں میں ایک صنعت یہ ہے کہ ہر شعر کا پہلا حرف نکھتے جائیے وہ پہیلی کا جواب بن جائے گا۔

ان پہیلیوں میں ایک اور بھی خوبی ہے کہ یہ بچوں کی تعلیمی استعداد کو بڑھاتی ہیں. اگر

www.taemeernews.com

انھیں عام کر دیا جائے تو ہمارے سماج میں بے سر و پیر کی لایعنی اور بے ہودہ مغلظات آمیز پہیلیوں کا چلن ختم ہونے لگے گا اور مفید تعمیری و ادبی پہیلیاں مروج ہو جائیں گی ۔۔۔ ان پہیلیوں میں باتوں ہی باتوں میں نہ صرف پہیلی بیان کی گئی ہے بلکہ تعلیم و تربیت کا بھی خیال رکھا گیا ہے ۔

اس کے علاوہ خود رسالہ "بچوں کا ہلال" کی کہانیاں نظمیں اور دیگر مشمولات اس قدر دلچسپ اور موثر ہیں کہ معمولی استعداد والا بچہ بھی انھیں نہایت شوق سے پڑھنے کی کوشش کرتا ہے ۔ خود میں نے اپنے بچوں پر تجربہ کیا تو اندازہ ہو گیا کہ دوسرے رسالوں کے مقابلے میں معصوم بچے "ہلال" سے زیادہ خوش ہوتے ہیں اور اسے کسی کھلونے کی طرح دیکھتے ہیں ۔۔۔ میں جانتا ہوں کہ اس کامیابی کا سہرا اس کے بانی مرحوم مولانا عبدالحیؒ (چچا) کے سر تو جاتا ہی ہے لیکن مرتضیٰ ساحل کی کوششوں کو بھی بڑا دخل ہے ۔ اس کے باوجود وہ تعریف و توصیف سے بے نیاز ہو کر کام کرتے ہیں اور کامیاب ادیب و شاعر ہونے پر بھی ان میں تکبر و غرور کا شائبہ نہیں دکھائی دیتا ۔ ان وجوہات کے باعث میرے نزدیک مرتضیٰ ساحل کی شخصیت نہایت پرکشش اور اہم ہے کہ قوم کے نونہالوں کے لیے اپنی زندگی وقف کر دی ہے ادیبوں و شاعروں کے لیے ڈاکٹر خلیق انجم سکریٹری انجمن ترقی اردو ہند فرماتے ہیں کہ چونکہ بچے قوم کی امانت، اس کے روشن مستقبل کی ضمانت اور معاشرے کی ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت رکھتے ہیں ۔ ملک و قوم کے بگڑنے یا سنورنے کا انحصار انھیں پر ہوتا ہے ۔ لہٰذا ان کے کردار کی تشکیل و تعمیر کے لیے ان کی ذہنی تربیت کلیدی حیثیت رکھتی ہے ۔ اس کے باوجود اردو کے تخلیق کاروں نے بچوں کے ادب کی تخلیق پر اتنی توجہ نہیں دی ہے جتنا کہ اس کا حق ہے ۔ تحقیق و تجزیہ کے بعد یہ بات کھل کر سامنے آتی ہے کہ اردو کا تقریباً ہر لکھنے والا اپنے تخلیقی سفر کا آغاز بچوں کے ادب سے کرتا ہے ۔ ابتداءً لڑکھڑاتا ہے، سنبھلتا ہے، گرتا ہے ۔ اٹھتا ہے اور جب دیکھتا ہے کہ ان راستوں پر اس کے قدم جمنے لگے ہیں ہاتھوں کی لرزش کم ہو کر قلم پر گرفت قدرے مضبوط ہو گئی ہے تو بچوں کے ادب کو کم تر درجہ کا ادب سمجھ کر اپنے قلم کا رُخ دوسری سمتوں کی جانب موڑ دیتا ہے ۔ ان سمتوں کی جانب جہاں قدر افزائی شہرت و ناموری اور بیشتر دوسری حالتوں میں نام کے ساتھ مال کمانے کے مواقع نسبتاً زیادہ میسر

www.taemeernews.com

آتے ہیں۔ بچوں کے ادبی تخلیق کار کو اپنی ذہنی سطح سے نیچے اتر کر قدرے جھک کر بچّوں کے دوش بدوش چلنا پڑتا ہے۔ البتہ ایسا کرنا ایک معلمانہ ذہن رکھنے والے ادیب و شاعر کے لیے خاص مشکل نہیں ہوتا۔"

مندرجہ بالا خیالات میں دو قسم کے تخلیق کاروں کا ذکر کیا گیا ہے۔ ایک وہ جو اپنے قلم کی گرفت مضبوط ہونے پر بچوں کا ادب تخلیق نہیں کرتے، ان کے ذیل میں مرتضیٰ ساحل نہیں آتے بلکہ انھیں ہم دیکھ رہے ہیں کہ وہ پہلے سے زیادہ شد و مد کے ساتھ بچوں کے ادب کی خدمت کر رہے ہیں۔ اللہ کرے زورِ قلم اور زیادہ.....

www.taemeernews.com

تبسم نشاط

میرا دوست میرا بھائی

—— اپنے اداریوں میں

عدالت میں گواہ، یا بیان دینے والا پہلے حلف لیتا ہے کہ .....
"میں جو کچھ کہوں گا سچ کہوں گا، سچ کے سوا کچھ نہیں کہوں گا۔"
مَیں اپنے دوست مرتضیٰ ساحل تسلیمی کی شخصیت کے بارے میں لکھتے ہوئے یہی کہوں گا کہ ..... "میں جو کچھ لکھوں گا سچ لکھوں گا سچ کے سوا کچھ نہیں لکھوں گا۔"

❀

کچھ رشتے ایسے ہوتے ہیں جنھیں کوئی بھی نام دینا بڑا مشکل ہوتا ہے۔ مرتضیٰ ساحل اور میرے درمیان بھی ایک ایسا ہی رشتہ ہے جسے میں آج تک کوئی نام نہ دے سکا۔ دوست، بھائی، محسن غمگسار ..... بہت سوچنے پر بھی کسی نام کا انتخاب نہ کر سکا۔ صرف اتنا ہی کہہ سکتا ہوں کہ ..... مرتضیٰ ساحل میرے دوست ہیں بھائی ہیں۔ ایسے دوست جن کی دوستی پر شہر کے لوگ رشک کرتے ہیں۔ مجھے اس بات پر فخر ہے کہ میں نے زندگی کے سفر میں جب بھی تھکن محسوس کی ہے وہاں مرتضیٰ ساحل نے میرا حوصلہ بڑھایا ہے۔ ایسے دوست کے بارے میں کیا لکھوں۔

میرا ذہن سوچتے سوچتے تھک گیا کہ مرتضیٰ ساحل کو ـــــ دوست لکھوں۔ بھائی لکھوں بچوں کا ایک عظیم ادیب لکھوں۔ ایک سنجیدہ شاعر لکھوں، افسانہ نگار لکھوں یا ایک حساس دل بے باک صحافی ـــــ مرتضیٰ ساحل کے اتنے روپ ہیں کہ اگر کسی ایک بھی روپ کے بارے میں لکھا جائے تو ایک ضخیم کتاب تیار ہو سکتی ہے۔

مرتضیٰ ساحل سے میرا تعارف بحیثیت افسانہ نگار ہوا تھا جب آکاش وانی لکھنؤ نے

www.taemeernews.com

ایک شب افسانہ کا اہتمام کیا تھا جس میں مرتضیٰ ساحل، مسعود ظفر اور راقم تبسم نشاط مہمان تھے۔ مرتضیٰ ساحل سے وہ پہلی ملاقات خلوص کے ایسے رشتے میں بندھ گئی جسے صرف موت کے ہاتھ ہی توڑ سکتے ہیں۔

کہتے ہیں کہ جب آندھی آتی ہے تو ہر چیز گرد آلود ہو جاتی ہے مگر بڑی سے بڑی آندھی گزر جانے پر چند گھنٹوں میں گرد صاف ہو جاتی ہے۔ گرد آلود آئینے چمک اٹھتے ہیں۔ میرے اور مرتضیٰ ساحل کے درمیان بھی ایک آندھی آئی تھی جس نے ہماری دوستی کے آئینے کو گرد آلود کر دیا تھا۔ وہ ایک سیاسی آندھی تھی جو میرے اس دوست کو اُڑا لے گئی تھی۔ میں نے بہت روکنا چاہا۔ بہت پکارا، بہت آوازیں دیں۔ مگر میری ہر پکار واپس لوٹ آئی۔ ایک بے پناہ درد کا احساس لیے ـــــ کیونکہ میں اپنی تاریخ سے خوفزدہ تھا۔ میں جانتا تھا کہ سیاسی نظریات میں ہم آہنگی نہ ہونا بڑے مضبوط رشتوں کی زنجیر کو توڑ دیتی ہے۔ سیاسی نظریات کے اختلاف کی شدت بہت خطرناک ہوتی ہے۔ تاریخ شاہد ہے کہ سیاسی نظریات کی شدت کے باعث اسلام کی بڑی بڑی شخصیتیں اپنے ہی دینی بھائیوں کے ہاتھوں قتل کر دی گئیں۔ بیٹے کے ہاتھوں باپ کو موت کی نیند سونا پڑا۔

خدا کا شکر ہے کہ میرے اور مرتضیٰ ساحل کے درمیان سیاسی نظریات میں اختلاف تو رہا مگر شدت کبھی نہیں آئی۔ یہی وجہ ہے کہ جب سیاسی آندھی گزر گئی تو دونوں کے دلوں سے بدگمانی کی گرد صاف ہو گئی۔ خلوص کے تمام رشتے استوار ہو گئے۔ تیز رفتار ریل کی طرح بیتے دنوں کی باتیں پیچھے رہ گئیں مگر میرے دل میں ایک خلش رہ گئی کہ اسلام پسند ادیب مرتضیٰ ساحل کی شخصیت پر، مرتضیٰ علی خاں کی سیاسی شخصیت حاوی ہو گئی ہے اور میں اپنے اس دوست مرتضیٰ ساحل کی واپسی کا منتظر ہوں جو اسلام پسند، اصلاح پسند بچوں کا ادیب تھا جس کی زندگی کا ہر عمل قرآن و سنت کی ایک جیتی جاگتی تصویر تھا۔

مرتضیٰ ساحل نے بچوں کے ادیب کی حیثیت سے جو شہرت حاصل کی ہے اپنی بے پناہ لگن اور محنت سے جو مقام بنایا ہے اس کی مثال ملنا مشکل ہے۔ بلا مبالغہ کہہ سکتا ہوں کہ اس وقت پورے ملک میں مرتضیٰ ساحل ہی وہ ادیب ہیں جنھوں نے بچوں کے لیے تقریباً ساڑھے

www.taemeernews.com

تین سو سے زائد نظمیں اور اتنی ہی کہانیاں اور اس کے علاوہ دو ناول بھی لکھے ہیں۔

گزشتہ کچھ سالوں سے مرتضیٰ ساحل نے بتول اور نور میں اداریوں کا جو سلسلہ شروع کیا ہے وہ قابل تعریف ہی نہیں، قابلِ تقلید بھی ہے۔ انھوں نے چھوٹے چھوٹے جملوں اور کم الفاظ میں جو مختصر اداریہ تحریر کیے ہیں ان میں نہ صرف ملت اسلامیہ کے بگڑے معاشرے کا درد ہے بلکہ ان پر نشتر زنی بھی ہے۔ آئے دن مسلمان گھروں میں ہونے والی چپقلش، خانگی جھگڑے، آپسی رسہ کشی مسلم گھروں میں غیر مسلم معاشرے کا اثر، ٹیلی ویژن کے مضر اثرات۔ غرض مرتضیٰ ساحل نے ہر برائی کو گہرائی سے محسوس کیا ہے اور ان پر بڑے موثر ڈھنگ سے اصلاحی انداز میں نشتر چلایا ہے۔ مثلاً ایک اداریہ میں لکھتے ہیں.....

میں، ۱۱ جولائی ۱۹۹۰ء کو صبح پنجاب میل سے لکھنؤ کے لیے سوار ہوا۔
میرے بعد دوسرے مسافروں کے علاوہ ایک نوجوان جوڑا بھی کمپارٹمنٹ میں داخل ہوا۔
نوجوان باریش اور خوبرو تھا، خاتون برقع میں تھیں۔
جیسے ہی ٹرین نے پلیٹ فارم چھوڑا، خاتون نے برقع اتار کر کنڈیا میں رکھ لیا۔

یہ واقعہ صرف مرتضیٰ ساحل کے سامنے ہی پیش نہیں آیا بلکہ سفر کے دوران اکثر ایسے واقعات پیش آتے ہیں مگر کوئی توجہ نہیں کرتا۔ لیکن مرتضیٰ ساحل نے ملت کی اس بے راہ روی کو محسوس کیا۔ دل میں درد کی ایک لہر اٹھی۔ اس لیے وہ آگے لکھتے ہیں:

اچانک مجھے سورۃ احزاب کی ایک آیت کی تفسیر یاد آگئی۔

"اے نبیؐ اپنی بیویوں، بیٹیوں اور مسلمان عورتوں سے کہہ دو کہ جب اپنے گھروں سے حاجت کو نکلیں تو لونڈیوں کے سے لباس نہ پہنیں کہ سر اور چہرے کھلے ہوں۔"

کاش! ملت کا ہر فرد سوچتا کہ ہم جس معاشرے، جس سماج، جس تہذیب کی تقلید کر رہے ہیں وہ ہمارے دین کے مطابق ہے؟ وہ ہر مسلمان سے ایک سوال کرتے ہیں

کیا مذکورہ خاتون کا پردہ اسلام کی روح کے مطابق ہے؟
یا اسلامی شریعت کے مذاق کے مترادف ــــ؟

www.taemeernews.com

یہ سوال آج بھی پوری ملت اسلامیہ سے ایک مثبت جواب کا منتظر ہے۔

مرتضیٰ ساحل اپنے ایک اور اداریہ میں لکھتے ہیں:

"گھر کو پرسکون بنانے میں بیوی کی بہت بڑی ذمہ داری ہوتی ہے۔

جس گھر میں زن و شوہر اور ساس بہو کے درمیان میل محبت ہو وہ گھر گھر نہیں جنت ہے۔"

اس اداریے میں ساس سے بے وجہ ناراض بیوی کی جھنجلاہٹ اور غصے سے پریشان ہوکر وہ سماج کے سامنے ایک سوال لاتے ہیں۔

جو ماں نو مہینے تک تکلیفیں اٹھائے، شب و روز ایک کرکے پرورش کرکے بڑے ارمان سے شادی کرے اور اس بیٹے سے لاتعلق ہو جائے؟

اپنے معاشرے کی ایک زبردست برائی جو آج فیشن بن گئی ہے سوسائٹی کا حصہ بن گئی ہے جس پر کوئی دھیان نہیں دیتا۔ اس برائی پر اپنی اصلاح کا نشتر چلاتے ہوئے مرتضیٰ ساحل کہتے ہیں:

اگر کوئی ہم سے یہ کہے کہ ایک نامحرم نوجوان شخص کو آپ کی بیٹی یا بہن کا ہاتھ پکڑے دیکھا اور یہ کہ وہ اس کا ہاتھ دبا رہا تھا۔ ہم اس شخص کی اطلاع کو بہتان قرار دے کر اس سے لڑ پڑیں گے اور اگر وہ شخص یہ کہہ دے کہ جس آدمی کے ہاتھ میں آپ کی بیٹی یا بہن کا ہاتھ تھا وہ منیہار تھا تو ہمارے غصے کی ساری ہوا نکل جائے گی۔ آخر کیوں....!

کیا منیہار مرد نہیں ہوتا — نامحرم نہیں ہوتا — اور کیا جوان نہیں ہوتا۔ کیا بازار میں کسی نامحرم مرد سے چوڑیاں پہننا درست ہے۔ اس فعل پر ہمیں شرم محسوس کیوں نہیں ہوتی؟

سوچیے اور خوب سوچیے!.....

مگر افسوس مرتضیٰ ساحل کی طرح کون سوچتا ہے۔ آج ملت اسلامیہ مغرب کی تقلید میں اس قدر آگے بھاگ رہی ہے کہ اسے یہ بھی یاد نہیں کہ اس نے اپنی کس عظیم وراثت کو پامال کر دیا۔ جس کے نتیجے میں آج ذلت و رسوائی اور تباہی کے بھیانک طوفان سے گزرنا پڑ رہا ہے۔

مرتضیٰ ساحل کو صرف ملت اسلامیہ کی بگڑتی قدروں کا دکھ نہیں۔ ایک محبِ وطن

www.taemeernews.com

کی حیثیت سے انھیں اپنے ملک کے بگڑتے سماج کا درد بھی ہے جس کا اظہار وہ اپنے اداریے میں ان الفاظ میں کرتے ہیں :

جہیز کی خونخوار دیوی ـــــ روزانہ ہندو سماج کی کئی بے گناہ بہو بیٹیوں کے خون سے اپنی پیاس بجھاتی ہے لیکن کانپور میں تین سگی بہنوں کی اجتماعی خودکشی نہ صرف انسانی ضمیر کو جھنجھوڑ دینے والا المیہ ہے بلکہ مسلم خواتین کے نام نہاد غیر مسلم ہمدردوں کے لیے ایک تازیانہ بھی ہے۔ جنہوں نے شاہ بانو کی آڑ میں اسلام کو بدنام کرنے میں کوئی دقیقہ نہیں اٹھا رکھا تھا۔ کاش وہ اپنے سماج سے جہیز کی لعنت کے خاتمہ کے لئے سیاسی سطح پر کوشش کرتے ۔

مگر افسوس! پورا ہندو سماج خاموش ہے۔ آخر اتنی بے حسی کیوں ؟

کیا ہمارا سماج (ملت اسلامیہ) اس برائی سے پاک ہے ؟

ہرگز نہیں۔ کیا ہم اسلام کو بدنام نہیں کر رہے ہیں ؟

کیا ہندو سماج کے عبرت ناک واقعہ سے ہمیں سبق نہیں لینا چاہیئے ؟

سوچیئے اور خوب سوچیئے .....

شاید عیش پرستی کے نشے میں ڈوبے ملت اسلامیہ کے لوگ مرتضیٰ ساحل کے ان چبھتے سوالوں پر نہ سوچیں مگر میں یہ ضرور سوچ رہا ہوں کہ میں مرتضیٰ ساحل کے کس کس اداریے پر اپنی رائے لکھوں۔ ان کا ہر اداریہ ایک تازیانہ ہے ایک چبھتا ہوا سوال ہے ـــ ایک ایسا سوال جو اس وقت تک جواب سے محروم رہے گا جب تک اس سوئی ہوئی ملت کا دینی احساس نہیں جاگے گا جب تک ملت قرآن و حدیث کی روشنی میں اپنی زندگی کے بیتے دنوں کا محاسبہ نہیں کرے گی اور سوچے گی کہ ہم نے اپنے دین کے راستے کو چھوڑ کر کیا کھویا ہے کیا پایا ہے۔

اسی طرح مرتضیٰ ساحل نے ایک غیر جانب دار صحافی کی حیثیت سے ایک مقامی روزنامہ میں جو اداریے لکھے ہیں ان میں بھی اپنی انفرادیت کو برقرار رکھا ہے۔ انھوں نے نام نہاد صحافیوں کی طرح اپنے قلم کو مصلحت کے ہاتھوں فروخت نہیں کیا ہے بلکہ بڑی بے باکی و بے خوفی سے سیاسی بھیڑیوں کے جسموں سے کھال کھینچ کر ان کے اصلی روپ میں عوام کے سامنے پیش کیا ہے

www.taemeernews.com

اس صحافتی جہاد میں انھیں کتنے ہی دوستوں کی ناراضی برداشت کرنا پڑی ہے مگر ساحل صاحب نے اپنے قلم کی قیمت قبول نہیں کی جیسا کہ میرے علم میں ہے کہ ان کے قلم پہ بولیاں لگائی گئیں لیکن سچائی اور حقیقتوں کے تحفظ میں باطل سے لڑنے والے قلم کے اس نڈر سپاہی نے اپنے قلم کو سکوں کی چمک سے زنگ آلود نہیں ہونے دیا۔ چونکہ ہر انسان فرشتہ نہیں ہوتا۔ ہر شخص کی کوئی نہ کوئی خوبی یا کمزوری ضرور ہوتی ہے۔ مرتضیٰ ساحل کا جھکاؤ شدت سے شہر کی ایک بڑی شخصیت پر ہے اور اس کو سیاسی آئیڈیل مان کر اس کے ہر اقدام..... کو وہ درست کہتے ہیں۔ ان کی اس کمزوری یا اپنے سیاسی آئیڈیل کی محبت کو کچھ لوگ پسند نہیں کرتے۔

انھوں نے مقامی روزنامہ میں جو اداریے لکھے ہیں ان میں مٹتی قدروں کا درد ہے اور اسلام دشمن سازشوں کو بے نقاب کیا ہے۔ ملک میں بڑھتی فرقہ پرستی کے خلاف بھی آواز اٹھائی ہے۔ چنانچہ وہ ایک اداریہ میں لکھتے ہیں:

اسلام دشمنی اور مسلم دشمنی یورپ کے لیے سب سے مقدم چیز ہے۔ یورپ والوں کو اگر کسی سے خطرہ ہے تو اسلام سے، خود ہمارے ملک میں بھی یہی حال ہے۔

افغانستان کا اسلامی انقلاب بھی ہمارے دیش واسیوں کے حلق سے نہیں اتر رہا ہے۔ چنانچہ وہ افغانستان کی اسلامی حکومت کو تنقید کا نشانہ بناتے رہتے ہیں۔!

بھارتیہ جنتا پارٹی میں شامل ہونے والے ابن الوقت مسلمانوں پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ .....

بھائی مسلمان اکثر کسی مجبوری کی وجہ سے رکنیت کے فارم بھرنے پہ مجبور ہوتے ہیں۔ مثلاً کسی کو لائسنس چاہیئے۔ کوئی بہت بڑا ٹھیکہ لینا چاہتا ہے جو منتری جی کی سفارش سے ملے گا اگر نہیں ملا تو مسلمان بچوں کے لیے روزی کا کوئی دوسرا دروازہ کھلا ہی نہیں ہے۔ قتل میں نام آگیا ہے اس کا

www.taemeernews.com

نکلنا ضروری ہے۔ اس لیے ایمان جائے تو جائے۔"

اس وقت پوری دنیا میں مسلمانوں کے خلاف ایک منظم مسلم دشمن تحریک چل رہی ہے۔ ہر طرف سے مسلم دشمن طاقتیں یلغار کر رہی ہیں اور اپنے ظلم و ستم کا نشانہ بنا رہی ہیں مرتضیٰ ساحل اس اسلام دشمن سازش کا تجزیہ پیش کرتے ہوئے اپنی رائے اس طرح رقم کرتے ہیں :

"یہ بات اسلام کی عظمت کی دلیل ہے کہ یوروپ ہو یا امریکہ سب اس سے خائف ہیں۔ مشرک ہو یا کافر، سب کے دلوں پر اسلام کی طاقت کی دہشت ہے اور یہ سب خوب سمجھتے ہیں کہ اسلام مکمل دستور حیات رکھتا ہے زندگی کے کسی بھی شعبے میں قرآن اور احادیث کی رہنمائی موجود ہے اور یہ دوسرے سارے دنیاوی نظاموں سے زیادہ پائیدار، فطری اور حقیقی نظام رکھتا ہے۔ چنانچہ اسلام دشمن طاقتیں ہمیشہ اسلام کو نقصان پہنچانے اور مسلمانوں کو نت نئی آزمائشوں میں مبتلا رکھ کر ان کا ذہن حقیقی مسائل سے ہٹائے رکھنا چاہتی ہیں۔"

وہ ملک کے موجودہ حالات کی جانب اشارہ کرتے ہوئے ایک اداریہ میں لکھتے ہیں :

اگر مرکزی سرکار یا وزیر اعظم اس مسئلہ کو سنجیدگی سے حل کرنے کے خواہش مند ہیں یا پھر وہ ملک کو انتشار اور ٹوٹنے سے بچانے میں سنجیدہ ہیں تو انھیں دشوہند و پریشد کو کمزور کرنا ہوگا۔

فی الحال آخر میں میں اتنا ہی کہوں گا کہ مرتضیٰ ساحل ہمہ وقت اسلام دشمن سازش سے باخبر رہتے ہوئے ان طاقتوں کے خلاف اپنے قلم کی تلوار سے جہاد میں مصروف رہتے ہیں۔

www.taemeernews.com

ایں فضیلت

باتیں اُنکی یاد ہیں میری

جہاں تک سنِ بلوغت کا سوال ہے، حکماء نے چند شرطیں رکھی ہیں جن کی بنیاد پر انسان کے بچپن، جوانی کے بیچ ایک حد فاصل قائم کر کے اُسے بالغ یا نابالغ ہونے کا سرٹیفکٹ دیا جاتا ہے خواتین کا معاملہ ذرا مختلف بلکہ آسان بھی ہے اس لئے کہ ایک خاص عمر کے بعد مذکورہ بالا شرائط کہیں نشیب اور کہیں فراز کی شکل میں "نمایاں" ہو کر اعلان بلوغیت کر دیتی ہیں لیکن مردوں کے سلسلہ میں محض جسامت دیکھ کر اُن کے بالغ ہونے کا فتویٰ صادر کر دینا، ہمارے خیال میں، دانش مندی نہیں ہوگی۔

ممکن ہے اس لمبی چوڑی تمہید کے بعد قارئین اس بدگمانی کا شکار ہو جائیں کہ ہم خدانخواستہ مرتضیٰ ساحل تسلیمی کو نابالغ ثابت کرنے کے لئے ایڑی چوٹی کا زور لگا رہے ہیں اور ان کی پوزیشن کو (کم از کم ان کی بیوی کی نظر میں) مشکوک کر رہے ہیں ہم تو صرف اتنا چاہتے ہیں کہ ساحل صاحب کی عمر کا اندازہ لگانے والے حضرات صرف ۲۵ سال کم کر دیں تاکہ ان کی عمر اور مزاج میں جو تضاد ہے وہ ختم ہو سکے۔

یہ تضاد گزشتہ پندرہ سولہ برس سے میرے لئے بڑی الجھن کا باعث بنا ہوا ہے یعنی اس وقت سے جب ادارہ الحسنات میں تزئین کار کی حیثیت سے میرا تقرر ہوا تھا، یا دوسرے معنوں میں ساحل صاحب کو پریشان کرنے کی ذمہ داری مجھے سونپی گئی تھی، جب تک بھی میں ادارہ الحسنات میں رہا اپنے "فرائض" نہایت خوش اسلوبی سے ادا کرتا رہا نتیجتہً بڑے سخت معرکے عالم وجود میں آئے لیکن کچھ ہی دنوں بعد میں اس راز سے واقف ہو گیا کہ بہ ظاہر نہایت بے رحم اور جنگ جو نظر آنے والا یہ شخص اندر سے ایک معصوم، نابالغ بچہ ہے،

www.taemeernews.com

اور بچہ سے کیا اُلجھنا؟

لوگ کہتے ہیں ان کی شادی ہوگئی ہے لیکن شادی تو میری نظر میں بلوغیت کی سند نہیں، اب ان کی بیوی بُرا مانتی ہیں تو مانیں، میں کوئی کسی سے ڈرتا ہوں۔ سوچنے اور غور کرنے کا مقام ہے کہ جو شخص پیار کرتے وقت ایک ننھا سا بچہ بن جاتا ہو، اپنا دل نکال کر رکھ دیتا ہو، وہ غصہ میں چنگیز اور ہلاکو کا جانشین نظر آئے تو کیا آپ اُسے بالغ کہیں گے۔

یہ بچپنا، یہ معصومیت ان کی چال میں، ان کی باتوں میں، ان کے روٹھنے اور منانے میں اور حد یہ ہے کہ ان کے فن میں بھی نہ صرف نمایاں بلکہ حاوی ہے۔ وہ جو کچھ لکھتے ہیں، جو کچھ تخلیق کرتے ہیں اس میں ایک خلوص ضرور شامل ہوتا ہے۔ بیک وقت ایک بہترین صحافی، ایک ادیب، ایک شاعر، اور ایک منتظم ـــــ اور اب ایک ایمان دار سیاسی! وہ انسان نہیں مشین ہیں، کمپیوٹر ہیں۔ کتنا کام کرتا ہے یہ شخص، خدا کی پناہ۔ ادارہ الحسنات سے شائع ہونے والے پانچوں رسائل کو گھڑی کی سوئی کے ساتھ منزلِ اشاعت تک پہنچانا آسان کام نہیں ہے۔ کاتبوں کی حجامت سے لے کر آرٹسٹوں کی حق تلفی تک سبھی فرائض وہ بحسن و خوبی بلکہ بڑی بے رحمی سے ادا کرتے ہیں۔ کسی ظالم ڈینٹسٹ کی طرح بے ہوشی سنگھائے بغیر صحت مند دانتوں پر اپنا زنبور آزمانے میں یقین رکھتے ہیں اور اس کارروائی کے دوران فن کار کے بلبلانے یا تڑپنے کو چنداں اہمیت نہیں دیتے۔

لوگ کچھ بھی کہیں، مگر میں تو ان کے اس عملِ جراحی کو معصومیت اور فرائض منصبی سے منسوب کرتا ہوں۔ صاف ظاہر ہے کہ وہ حرام کی نہیں حلال کی کھاتے ہیں۔

گول چہرہ، آنکھوں پر عینک، تیز قسم کی چال، گداز نرم نرم سا جسم، ڈھاکہ سے برآمد شدہ تازہ دھنکی ہوئی روئی کا لحاف ہو جیسے۔ مناسب قد، ترشے ہوئے ہونٹ، مسکراہٹ اور غصہ دونوں کے لئے موزوں ـــــ! بہ ظاہر انھیں دیکھ کر کوئی نہیں کہہ سکتا کہ اس STRUCTURE کے اندر ایک معصوم بچہ چھپا ہوا ہے۔ وہ بچہ جسے میں نے اکثر بردباری کا خول توڑ کر آزادی کی فضا میں کھلنڈرا پن کرتے دیکھا ہے۔ ادھر کچھ دنوں سے ان کے اندر غصہ کا عنصر گھٹ کر خوش مزاجی کے جراثیم بڑھے ہیں، ممکن ہے یہ بیوی کی مستقل صحبت کا اثر ہو۔ شادی شدہ زندگی

www.taemeernews.com

ہوتی ہی ایسی ہے۔ اچھے اچھے سیدھے ہو جاتے ہیں۔ مرتضیٰ ساحل تسلیمی کیا چیز ہیں۔ ایک راز کی بات اور بتا دوں ——— وہ بیوی سے ڈرتے بہت ہیں۔ مجبوری ہے اُن کی بھی! اکثر خاوندوں کی زندگی ایک خاص نقطے پر پہنچ کر رُک جاتی ہے جیسے کسی ٹوٹے ہوئے ریکارڈ پر گراموفون کی سوئی اٹک جائے۔

ساحل صاحب، ایک سچے، بے داغ اور باعمل مسلمان ہیں لیکن کچھ سنتوں پر عمل کرنے سے ڈرتے ہیں جیسے داڑھی اور نکاح ثانی۔ داڑھی تو خیر وہ اس لئے نہیں رکھتے کہ تنکے الجھنے کا خوف باقی نہ رہے اور شاید اس لئے بھی کہ شہر کے بیشتر داڑھی زدہ معززین کا ریکارڈ کچھ ایسا قابلِ تقلید اور مثالی بھی نہیں ہے جس پر فخر کیا جا سکے۔ میرا ذاتی خیال ہے کہ داڑھی رکھنا بڑی ذمہ داری کا کام ہے۔ ایک نوخیز، نو عمر داڑھی دراصل اس مقدس کنواری لڑکی کی طرح ہے جس کی عصمت و عفت کی تمام تر ذمہ داری 'صاحبِ داڑھی' پر عائد ہوتی ہے۔

'نکاح ثانی' کے وہ کیوں مخالف ہیں، میں آج تک نہیں سمجھ سکا۔ ان کی 'ضد' کی وجہ سے میرا ایک ناول "سگتے ہوئے لوگ" کھٹائی میں پڑا ہے۔ عبدالملک سلیم صاحب جیسے غمزدہ کا 'درد' بھی ان سے دیکھا نہیں جاتا۔ نہ معلوم ساحل صاحب یہ کیوں نہیں سوچتے کہ ایک ادیب کے ذہن میں جب کسی کہانی کا خاکہ ابھرتا ہے تو اس کی کیفیت اس حاملہ عورت کی سی ہوتی ہے جسے ایک خاص مدت کے بعد بہرحال ایک بچہ کو جنم دینا ہے۔ تخلیق کار اسی کرب اسی اذیت اور اسی خوشی سے سرشار رہتا ہے اور ایک فن پارہ اسی طرح عالم وجود میں آتا ہے جس طرح ایک ماں اپنی کوکھ سے ایک جاندار کو تخلیق کرتی ہے۔

لیکن صاحب اپنی پوزیشن تو اس حاملہ کی سی ہے جو "مدت حمل" گزر جانے کے بعد بھی بچہ جننے سے قاصر ہے۔

کثرت ازدواج کے موضوع پر ان سے اکثر طویل گرما گرم بحثیں رہی ہیں۔ پتھر پر سر پھوڑنے کے مصداق ہم نے اکثر یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ کبھی کبھی حالات کے ناگزیر تقاضوں اور مصلحتوں کے تحت کثرتِ ازدواج کی افادیت سے انکار نہیں کیا جا سکتا مگر وہ نہیں مانتے۔ بیوی سے ڈرتے ہوں گے کہ کہیں محترمہ کو ان کے نظریات کا علم نہ ہو جائے۔ ثابت ہوا

www.taemeernews.com

کہ شوہر سے زیادہ سیدھی سادی اور قابلِ رحم حد تک گاؤدی مخلوق دوسری نہیں۔ شادی کے ابتدائی چند برسوں میں تو وہ "فرمانبرداری" کا پوسٹر بنا ازدواجی زندگی کی دیوار پر ٹکا رہتا ہے لیکن رفتہ رفتہ اس "سعادت مند" کے چیتھڑے اڑنا شروع ہوتے ہیں۔ صورتِ حال یہ ہو جاتی ہے کہ ان "پرزوں" کو سمیٹنے والا بھی کوئی نہیں ہوتا اور شوہر پر آوٹ آف ڈیٹ کی مہر لگ جاتی ہے۔ ایک سمجھ دار بیوی بڑی بے صبری سے اس وقت کی منتظر رہتی ہے جب شوہر "سکنڈ ہینڈ" ہو جائے۔ اور اس کی مارکیٹ ویلیو ڈاؤن ہو جائے۔ یہ ایک کامیاب ازدواجی زندگی کا نقطۂ عروج ہوتا ہے (کامیاب بیوی کے نقطۂ نظر سے اور عبرت انگیز شوہر کی بدقسمتی سے)

ایک بات عام طور سے کہی جاتی ہے کہ انسان اپنے دوستوں سے پہچانا جاتا ہے۔ مرتضیٰ ساحل تسلیمی ہمارے دوست ہیں، اس اعتراف کے بعد کسی مزید تفصیل یا وضاحت کی چنداں ضرورت نہیں، ظاہر ہے کہ ہماری تمام نالائقیوں سے واقف حضرات کو مرتضیٰ ساحل تسلیمی کے بارے میں کوئی رائے قائم کرنے میں، دشواری نہیں ہوگی۔ ہمیں خوشی ہے کہ مذکورہ بالا کہاوت کی روشنی میں ہماری تمام تر خامیوں کا DIS ADVANTAGE انھیں جاتا ہے جبکہ ان کی سبھی خوبیوں کا CREDIT ہمیں ملتا ہے۔

خواتین کا ریڈیٹ کرنے کے باوجود مزاج میں ابھی مردانگی باقی ہے سوائے ایک بات کے ـــــ کہ وہ پان کے شوقین نہیں عاشق ہیں۔ ڈبیا بٹوے سے ہر وقت مسلح رہتے ہیں۔ اگر تھوڑی دیر بھی پان نہ ملے تو ان کا چہرہ اُس بیوہ کی طرح ہو جاتا ہے جس کے شوہر کو مرے کئی برس ہو چکے ہوں۔ پان بروقت مل جائے تو بڑے شگفتہ، بہت مہذب، بڑے خوش اخلاق اور انتہائی وسیع النظر ہو جاتے ہیں اور یہی وہ وقت ہوتا ہے جب آپ انھیں "استعمال" کر سکتے ہیں۔

وہ شاعری کے وسیع سمندر کا ساحل ہیں اور شاعری بھی کوئی معمولی والی نہیں، بچوں کی شاعری، جو میری نظر میں شاعری کی مشکل ترین صنف ہے۔ اس ذیل میں وہ شفیع الدین نیّر سے ایک انچ بھی پیچھے نہیں ہیں۔ کتے، بلی، خرگوش، بھیڑیئے، شیر اور بارہ سنگھا سے لے کر ہوائی جہاز، ریل، موٹر کار، اور بیل گاڑی تک کو انھوں نے ہلکی پھلکی سبق آموز نظموں کے سانچے میں ڈھالا ہے۔ انھوں نے بچوں کے مزاج اور نفسیات کو بڑی ذہانت سے پرکھا

www.taemeernews.com

اور جانچا ہے اور ان کی تمام تر معصومیت اپنی نظموں میں بھر دی ہے ۔

آج جبکہ عالم انسانیت دہشت گردی کے جبڑوں میں گرفتار موت اور زیست کی کش مکش میں مبتلا ہے، بے قصور انسانوں کا خون سڑکوں پر ارزاں ہے، لاشوں کے ڈھیر لگائے جا رہے ہیں اور فضا ہولناک دھماکوں سے لرز رہی ہے، ساحل جیسے قلم کاروں کی سخت ضرورت ہے جو بنی نوع انسان کو رحم، بھائی چارے اور دوستی کا درس دے سکیں۔ اس لئے کہ یہ دنیا جس دن جھنجھنوں، ترتڑیوں اور ربر کے ہاتھیوں سے کھیلنا سیکھ جائے گی ۔ ایٹم بم کی ضرورت باقی نہیں رہے گی ۔

جہاں تک بچوں کے ادب اور شاعری کا تعلق ہے، ساحل صاحب نے کوئی گوشہ چھوڑا نہیں ہے ۔ میں اگر مثالیں دینے بیٹھوں تو ایک دفتر ضخیم چاہیئے ۔" اخبار" جیسے سنجیدہ عنوان کے تحت بچوں کے لئے انھوں نے جو نظم لکھی ہے وہ الفاظ و خیالات پر ان کی دسترس کو ثابت کرتی ہے ۔ ساتھ ہی ان نظموں میں ایک مخصوص سیاسی فضا کا رنگ بھی جھلکتا ہے ۔ ملاحظہ فرمائیں :ـــــ

ایک جنگل سے یہاں آئی ہیں چڑیاں اُڑ کر
جو یہ کہتی تھیں کہ جینا تھا وہاں پر دوبھر
ہم تھے محفوظ گھروں میں نہ گھروں سے باہر
کوئی راجا تھا وہاں، فوج نہ کوئی افسر
آج کی "تازہ خبر"

رات دن ہوتی ہے آپس میں لڑائی گھر گھر
چوریاں رات کو ہوتی ہیں وہاں پہ اکثر
کل تو اک چوہے نے بلّی کے لیے کان کتر
"ایک انساں نے کیا ایک گدھے کا مرڈر"
آج کی تازہ خبر

تھک کے ایک پیڑ کے سائے میں جو بیٹھا نائی

www.taemeernews.com

اُسترا اس کا چُرا لے گیا بندر بھائی
اُسترا ناک پہ رکھا تھا کہ شامت آئی
اپنے ہاتھوں ہی سے خود ہو گیا نکٹا بندر
آج کی تازہ خبر

اُن کی تحریر کردہ نظموں کے بحرِ بیکراں سے میں نے ایک اور موتی نکالا ہے۔ عنوان ہے "ضمیر" ملاحظہ فرمائیں ؎

میں کون ہوں بتائیے کیا میرا نام ہے
میں کون ہوں بتائیے کیا مرا کام ہے
آیا ہوں میں کہاں سے کہاں اب قیام ہے
ہمدرد ہوں، رفیق ہوں یہ جان لیجیے
میں ہوں ضمیر آپ کا پہچان لیجیے

اُٹھے غلط قدم تو بتاتا ہوں آپ کو
ہر ہر غلط عمل پہ جتاتا ہوں آپ کو
میں جاگتا ہوں خود بھی جگاتا ہوں آپ کو
جو کچھ میں کہہ رہا ہوں اُسے مان لیجیے
میں ہوں ضمیر آپ کا پہچان لیجیے

جب بولتے ہیں آپ کبھی جھوٹ برملا
اور ٹوکتا ہوں میں کہ عمل یہ نہیں بھلا
اس وقت گھونٹتے ہیں مرا آپ ہی گلا
جو کچھ میں کہہ رہا ہوں اسے مان لیجیے
میں ہوں ضمیر آپ کا پہچان لیجیے

کرتے ہیں آپ نقل اگر امتحان میں
اس ڈھنگ سے کہ آئے نہ شان و گمان میں

www.taemeernews.com

میں ڈکتا ہوں آپ کو دل کی زبان میں
جو کچھ میں کہہ رہا ہوں اسے مان لیجئے
میں ہوں ضمیر آپ کا پہچان لیجئے

کرتے ہیں دوستوں سے اگر آپ گفتگو
رکھتے ہیں دوسروں کی کہاں پاسِ آبرو
غیبت کی خو کو آج ہی کر دیجئے آخ تھو

جو کچھ میں کہہ رہا ہوں اسے مان لیجئے
میں ہوں ضمیر آپ کا پہچان لیجئے

ادب کے اس 'ساحل' پر نہ صرف شاعری بلکہ طنز و مزاح، افسانہ، اصلاحی و اسلامی ادب کے جہاز بھی لنگر انداز نظر آتے ہیں۔ میں نے اکثر ان کی نثر میں ایک فطری طنز نگار کی جھلک دیکھی ہے میں یہاں ان کے باقاعدہ طنزیہ مضامین کا حوالہ دینے کے بجائے ان خطوط کا تذکرہ کرنا چاہوں گا جو انھوں نے مجھے مختلف موقعوں پر تحریر کئے ہیں۔ ان خطوط کو میں بہت سنبھال کر رکھتا ہوں اس لئے کہ یہ میری نگاہ میں کسی ادبی دستاویز سے کم ہرگز نہیں ہیں۔ ان خطوط میں غصہ، اظہار محبت، خلوص، طنز، جھنجھلاہٹ، دوستی، بیزاری اور اپنائیت سبھی کچھ ہے۔ جگہ کی تنگی مانع ہے ورنہ جی تو چاہتا ہے کہ ان کے سارے خطوط قلمبند کر دوں۔ پھر بھی چند ایک کے اقتباسات آگے ملاحظہ فرمائیں۔

میں اس مضمون کی ابتدا میں عرض کر چکا ہوں کہ ادارہ الحسنات میں مجھے ساحل صاحب کو پریشان کرنے کی خوشگوار ذمہ داری سونپی گئی تھی۔ تزئین کار کی حیثیت سے ہی ہماری بے اعتدالیاں کیا کم تھیں کہ ساحل صاحب کی مشکلات میں اضافہ کرنے کے لئے میں نے ماہنامہ 'بتول' میں قسط وار ناولوں کا سلسلہ شروع کر دیا۔ ان کے اکثر خطوط دراصل ناول کی قسط میرے قلم سے بروقت اگلوانے کے لئے ہی ہوتے تھے۔ ایک بار کسی نے پوچھا تھا "آپ ناول کس طرح لکھ لیتے ہیں۔" اور میرا جواب تھا "سارا کریڈٹ ساحل صاحب کے قوی اعصاب کو جاتا ہے جو مجھ سے ناول لکھوا لیتے ہیں۔" میرے اس جواب میں ایک

www.taemeernews.com

ادیب کی لاپروائی کے ساتھ ساتھ ایک پبلشر کی مظلومیت بھی پنہاں ہے۔ ساحل صاحب کی ڈانٹ ڈپٹ، ناراضگی، برہمی، عاجزی، خوشامد اور بے پناہ خلوص۔ یہی وہ محرکات ہیں جنھوں نے مجھ سے "محلوں کے اندھیرے، اوئی اللہ، کش مکش، اور جھوٹی کہیں کی" جیسے مقبول ناول لکھوائے ہیں۔

ہاں تو صاحب، اب ان کے کچھ خطوط پڑھ لئے جائیں جو کوتوالی سے جاری شدہ SUMMON کی شکل میں مجھ پر وقتاً فوقتاً وارد ہوتے رہے ہیں۔

۲۸ فروری

ڈھائی بجے دن

مکرمی و محترمی ایس فضیلت صاحب

سلام مسنون

براہِ کرم 'اوئی اللہ' کی قسط عارف میاں سلمہٗ کو عنایت فرمادیں۔ شدید ذہنی اور روحانی کرب میں مبتلا ہوں۔ ناول کی کتنی اور قسطیں باقی ہیں؟ یہ بھی بتادیں تاکہ 'بتول' کی قارعات کو یہ اندوہناک خبر سُنا کر ہلکان کیا جا سکے

خدا آپ کو ہمیشہ خوش و خرم رکھے۔ والسلام

ساحل

فضیلت بھائی! سلام مسنون!

آپ کا وعدہ وعدۂ معشوق کی طرح، میری سادگی کسی عاشق نامراد کی طرح۔

رسالہ کی ضرورت۔ دونوں پر روشن۔ میرے لئے صبر کی دعا کریں۔

والسّلام

ساحل

مکرمی فضیلت بھائی! سلام مسنون

جس طرح بچے نئے کپڑے پہننے اور سوّیاں کھانے کے شوق میں ہلالِ عید

www.taemeernews.com

کے مشتاق رہتے ہیں اور جس طرح چھتوں پر کھڑی دوشیزائیں اُچک اُچک کر اور کبھی کبھی کمان بن کر ہلال شوال کے دیدار کے لئے بے چین ہوتی ہیں اور نظر آجانے پر دُعا کے لئے ہاتھ اُٹھ جاتے ہیں، بالکل اسی طرح میں اپنے گھر سے ٹہلتا ہوا تھانہ پا کھڑ پر پہنچ کر بھروا دادا کو تلاش کرتا ہوں ـــــ کاش مجھے بھی ایسا ہی شربت دیدار نصیب ہوتا کہ آپ کی خواہش اور میری مُراد پوری ہو سکے ۔ اب بھیج دیجئے نا تیسری قسط ۔ والسّلام

ساحل

مذکورہ بالا خط دراصل میرے اس خط کا جواب ہے جس میں میں نے ان کی ڈانٹ ڈپٹ سے عاجز آکر انھیں لکھا تھا کہ ـــــ " ساحل صاحب آپ مجھے کمزور سمجھ کر داداگیری پر اُتر آئے ہیں۔ سردست میں بھروا دادا کی خدمات حاصل کر رہا ہوں تاکہ آپ کی دھمکیوں سے نبٹا جا سکے ۔"

لکھنے کو بہت کچھ ہے۔ گزرے وقت کی باتیں، بے فکر لمحات کی یادیں اور ماضی کے جھروکوں میں سجے ہوئے حسین مناظر ـــــ جی چاہتا ہے اور لکھوں لیکن جگہ کی تنگی اور قارئین کی بوریت کا احساس مانع ہے ورنہ سچ یہ ہے کہ میں اپنے اس خاکہ کے ذریعہ ساحل صاحب کی شخصیت کے ساتھ انصاف نہیں کر سکا ہوں۔ زندگی نے مہلت دی تو پھر کبھی تفصیل سے لکھوں گا ۔

www.taemeernews.com

عزیز مراد آبادی

بچّوں کا شاعر اور ادیب

افسر میرٹھی سے لے کر شفیع الدین نیّر تک یوں تو بے شمار شعراء اور ادباء نے بچوں کے لئے ادب تخلیق کیا ہے لیکن ان میں سے ایسے تخلیق کار معدودے چند ہی ہیں جنھوں نے اپنے آپ کو بچوں کے شعری و نثری ادب کے لئے وقف کر دیا ہو! لیکن نئی نسل میں نئی نسل کو صالح اور بامقصد شعری و نثری ادب پیش کرنے والوں میں مرتضیٰ ساحل تسلیمی کا نام سرفہرست نہ سہی تو صفِ اوّل کے لوگوں میں ضرور شامل ہے۔ یہ حقیقت ہے کہ کوئی بھی اہلِ قلم عظیم اور منفرد تو ہو سکتا ہے لیکن یہ ضروری نہیں کہ وہ انشاء پرداز بھی ہو۔ مگر مرتضیٰ ساحل تسلیمی نے جو ادب بچوں کے لئے تخلیق کیا ہے اور کر رہے ہیں' اس کا مطالعہ سرسری طور پر کرنے کے بعد بھی بلا تامل کہا جا سکتا ہے کہ وہ ابھی نہیں تو چند برسوں بعد انشاء پرداز کی حیثیت ضرور حاصل کر لیں گے۔

ساحل صاحب کے تخلیقی عمل کی ایک نمایاں بلکہ مجاہدانہ کوشش یہ رہتی ہے کہ وہ جو کچھ بھی لکھتے ہیں اس میں کوئی صالح مقصد کسی نہ کسی روپ میں ضرور موجود رہتا ہے۔ اس مقصد کو پورا کرنے کے لئے وہ کسی واعظ یا ناصح کا خشک انداز ہرگز اختیار نہیں کرتے۔ وہ اپنی بات بچوں یا بڑوں تک پہنچانے کے لئے انتہائی دلچسپ' پُرکشش اور مقناطیسی اسلوب اختیار کرتے ہیں۔ روزمرّہ کے عام فہم الفاظ کا استعمال کر کے اپنی تخلیق کو نہ صرف دلچسپ بنا دیتے ہیں بلکہ ان پڑھ قاری یا سامع بھی ان سے محظوظ ہوئے بنا نہیں رہ پاتا اور ساحل صاحب کی کہی ہوئی بات خواہ غیر شعوری طور پر ہی سہی اپنے دل و دماغ میں اُتار لیتا ہے۔ مثلاً:

www.taemeernews.com

ذرا ہمدردی نہیں کم بخت کو ـــــ ہر چیز کا ستیاناس کر رکھا ہے۔
پہلے گیس سلنڈر پچیس دن چل جاتا تھا اب پندرہ دن مشکل سے چلتا ہے
جتنا گھی ایک ماہ چلتا تھا اب بیس بائیس دن میں ختم ہو جاتا ہے۔
مسالے تو جیسے گھول کر پی جاتی ہے
آٹے میں بھی خیر و برکت نہیں رہی۔
میں بھی تو یہ سب کام کرتی ہی تھی۔

ایک خاتون اپنی نوکرانی کو بُرا بھلا کہہ رہی تھیں۔
نوکرانی مجرموں کی طرح خاموش کھڑی تھی۔
پھر وہ بولیں ـــ "جا، دو کپ چائے بنا کر لا"
میں نے کہا: آپ فرما رہی تھیں "میں بھی تو یہ سب کام کرتی ہی تھی"
"آپ نے تو خود بھی مجھے کام کرتے دیکھا ہوگا۔ ہمیشہ سے نوکرانی تھوڑے ہی تھی"
"تو پھر نوکرانی کی ضرورت کیوں پیش آگئی؟"
"اب مجھ سے کام نہیں ہوتا ـــ پھر جب اللہ نے ہمارے حالات اچھے کر دیے تو میں کام کیوں کروں؟"
"تو پھر اس بے چاری کو کیوں ڈانٹ رہی ہیں۔ یہ جیسا کام کر رہی ہے کرنے دیجئے"
"آپ اس کے وکیل ہیں یا میرے رشتہ دار؟"
"آپ کا رشتہ دار اور ہمدرد ـــ ٹھنڈے دل سے سوچیے۔
آپ کی مصروفیات میں کوئی اضافہ نہیں ہوا ہے آپ کے شوہر کے کاروباری حالات بہتر ہوئے ہیں۔
اس لئے آپ نے گھر کا کام کرنا چھوڑ دیا اور تقریباً دو سو روپے ہر ماہ اپنی جیب سے نوکرانی کو دے دیتی ہیں۔
جب آپ کا اپنا یہ حال ہے تو پھر نوکرانی سے ہمدردی کی امید کیوں ہے؟

www.taemeernews.com

اور یہ ضروری بھی تو نہیں ہے کہ نوکرانی کاموں میں عمداً کوتاہی برتتی ہو۔
ہمیں خادموں کے ساتھ حسنِ سلوک سے پیش آنا چاہیئے۔
اب آپ ہی بتایئے ــــ میں نے غلط تو نہیں کہا؟

(بتول، مارچ ۱۹۸۱ء)

ہنسی ہنسی میں پتے کی بات کہہ گزرنے میں بھی ساحلؔ صاحب کو ملکہ حاصل ہے۔ لطیفہ گوئی کا انداز اختیار کرکے اپنا مقصد واضح کر دینے میں بھی موصوف کو کمال حاصل ہے۔ یہ انداز بچوں کا پسندیدہ انداز تقریباً ہر دَور میں ہی رہا ہے۔ بچوں کی اس نفسیات کو پہچاننا تو بہت آسان ہے، لیکن اس کے تقاضوں کو پورا کر دینا آسان نہیں ہے جبکہ ساحلؔ صاحب نے اسے بھی آسان سمجھ کر خار زارِ ادب میں قدم رکھا ہے ــــ ان کی ایک نظم کا نمونہ ملاحظہ فرمایئے ؎

نہ اپنے ساتھیوں میں بڑا نیک نام ہے ہر آدمی سے اس کی دعا و سلام ہے
چھوٹوں کیواسطے ہے بہت اسکے دل میں پیار اور جو بڑے ہیں ان کے لیے احترام ہے

آپ نے زندگی کے ہر شعبہ سے تعلق رکھنے والوں کو اپنے قلم کا نشانہ بنایا ہے۔ عام طور پر لوگوں کا دھیان جن لوگوں کی طرف نہیں جاتا، ساحلؔ صاحب کی نظروں سے وہ بھی نہیں بچ پاتے ــــ مثال کے طور پر انھوں نے دھوبی، کمہار، لوہار، کسان، غبارے والا، چاٹ والا، پھلوں والا، طالب علم، ٹیچر، وکیل، ڈاکٹر ...... وغیرہ۔ پرندوں، چرندوں اور دنیا بھر کی مشہور و غیر مشہور اشیاء پر نظموں کا ایک انبار لگا دیا ہے ــــ اس طرح کی چند نظموں کے چیدہ چیدہ چند اشعار سے لطف اٹھایئے ؎

نظم "بڑھئی":-

اسے لوگ کہتے ہیں سب بڑھئی ذرا دیکھئے اس کی کاری گری
بہت محنتی ہے سمجھدار ہے حقیقت میں یہ اچھا فن کار ہے

پھر بڑھئی کے مختلف اوزاروں مثلاً بسولہ، برمہ، رندہ، پلاس، پیچ کس، چھینیاں ہتھوڑی، ریتی اور آری وغیرہ کا ذکر کرکے انھیں حلال روزی کمانے کا ذریعہ بتاتے ہیں ؎

یہ اوزار سب اس کے آتے ہیں کام انہی کی بدولت کماتا ہے دام

www.taemeernews.com

نظم "بھالو ناچے چھم چھم چھم" بچوں کے لئے خاصہ کی چیز ہے ؎

ڈمرو باجے ڈھم ڈھم ڈھم　　بھالو ناچے چھم چھم چھم

"جنگل میں" جیسی خوبصورت نظم کے ذریعہ تقریباً سبھی جانوروں کا خوبصورت انداز میں ذکر کیا ہے جس کا ایک شعر یہ ہے ؎

چھک چھک چھک یہ ہے ریل　　نام ہے اس کا جنگل میل

"نصیحت" نامی نظم میں ایک مرغی اپنے چوزوں کو بلّی سے محفوظ رہنے کا طریقہ بتاتی ہے۔

مرتضیٰ ساحل تسلیمی صاحب کی تخلیقات میری نظر سے اس وقت بھی گزرتی تھیں جب میں اُن سے واقف بھی نہیں تھا اور اب تو موصوف سے واقفیت بھی پرانی بات ہو چکی ہے۔ ان سے خصوصاً الحسنات رام پور کے آفس میں ملاقات ہو جاتی ہے تو بے چارے اپنی انتہائی مصروفیت کے باوجود جبکہ سر کھجانے کی فرصت بھی نہیں ملتی، کافی وقت نکال کر مجھ ناچیز سے بھی باتوں میں یوں مشغول ہو جاتے ہیں جیسے انھیں ری سیپشنسٹ کی پوسٹ پر رکھا گیا ہو! مگر مزے کی بات یہ ہے کہ بات چیت کا سلسلہ بھی جاری رہتا ہے اور رسائل کے متعلق ضروری امور کی انجام دہی بھی! ایسے امور کو بھی وہ گفتگو کا جزء بنا لیتے ہیں۔ گویا ملاقاتی کو ایسا کسی مرحلے پر محسوس ہی نہیں ہونے دیتے کہ وہ اپنے ملاقاتی کی طرف ملتفت نہیں ہیں۔ ظاہر ہے ان کا یہ رویہ ہر ملاقاتی کے ساتھ رہتا ہوگا۔ دورانِ ملاقات وہ مہمان کی خاطر تواضع سے بھی غافل نہیں رہتے۔ پان کی خوبصورت ڈبیہ ہر ایک کا فراخدلی کے ساتھ استقبال کرتی ہے۔ میرا کچھ زیادہ ہی، کیونکہ میں بھی انھیں کے معیار کا پان پسند کرتا ہوں۔ بہرکیف بحیثیت انسان بھی وہ انتہائی مخلص، ملنسار خوش گفتار اور سدا بہار شخصیت کے مالک ہیں خصوصاً بچوں کے لئے انھوں نے صدہا نظمیں غزلیں اور کہانیاں وغیرہ لکھی ہیں، ان سبھی میں کما حقہٗ ان کی شخصیت کا عکس جھلملاتا ہے انھوں نے اپنی کہانیوں سے بھی پند و نصائح کا کام لیا ہے، لیکن کہانی پن کے ساتھ! آپ ان کی کوئی بھی کہانی پڑھ جائیے، وہ خالص کہانی ہی ہوگی۔ اس میں کہانی کے جملہ لوازمات بدرجۂ اتم موجود ہوں گے۔ مختلف واقعات کی جڑی ہوئی کڑیوں پر مشتمل ایک ایسا واقعہ ہوگا جس میں کلائمکس بھی ہوگا اور طرزِ تحریر کی شگفتگی بھی..... اس طرح کے مرکب میں

www.taemeernews.com

کسی سبق، نصیحت اور پند کا زعفران بھی۔ زعفران جو انتہائی قیمتی اور مفید جنس ہوتا ہے اگر یہ نہ ہو تو کتنی بھی خوبصورت کہانی ہو، اپنی افادیت اور مقصدیت سے محروم ہو جاتی ہے۔ ایسی محروم کہانیاں نسلِ نو کے بچوں کو بامقصد زندگی گزارنے اور افعالِ نیک کو اپنے اندر اتارنے کا ذریعہ کبھی نہیں بن پاتیں۔ مثلاً چھوٹے بچوں کے لئے "ہلال" میں چھپی طویل کہانی "قسط وار گھمنڈی مور" کے ذریعہ بچوں کو باور کرایا گیا ہے کہ غرور بُری چیز ہے۔ کسی کو اپنے آپ پر گھمنڈ نہیں کرنا چاہیئے۔ اپنے سے چھوٹوں اور کمزوروں کو حقارت سے دیکھنا خدا کی نظر میں بُرا ہے۔ سبھی کا خالق خدا ہے۔ اس نے جیسا جیسا بنایا ہے بالکل ٹھیک بنایا ہے۔ ہر ایک کی خوبیاں ہر ایک سے مختلف ہیں حالانکہ اس کہانی کا مرکزی خیال ٹینی سن کی مشہور نظم "پہاڑ اور گلہری" (جس کا منظوم ترجمہ علامہ اقبالؒ نے بھی کیا ہے) سے لیا گیا ہے۔ تاہم ساحل صاحب کی کہانی بالکل مختلف ہے۔ اس کہانی میں نصیحت اور تلقین کا جو انداز ہے وہ بہت دلچسپ اور موثر ہے۔

ایک اہم اور قابلِ تعریف بات ساحل صاحب کے ذہن و قلم کی یہ ہے کہ وہ گرما گرم، سلگتے ہوئے مسائل پر بھی نظمیں اور کہانیاں لکھتے رہے ہیں اور یہ سلسلہ ہنوز جاری ہے۔ مثلاً جہیز کا بھیانک مسئلہ، طلباء میں انتشار و بے چینی، لاقانونیت کا عام رجحان، سماجی بگاڑ، سیاسی بدعنوانیاں، گھریلو مسائل اور مادہ پرستانہ مزاج کا انجام وغیرہ ـــــ! الحسنات اور بتول وغیرہ کے اداریوں میں مذکورہ موضوعات کا احاطہ ایسے پیارے انداز میں کرتے ہیں جیسے کوئی خشک مضمون نہیں بلکہ مزے دار کہانی سُنا رہا ہو! اس وجہ سے ان اداریوں کا تاثر اور زور بڑھ جاتا ہے۔ پڑھنے والے صحیح سمت میں سوچنے پر مجبور ہو جاتے ہیں نور کے اداریے خالصتاً بچوں کے لئے ہوتے ہیں جنھیں بچے کہانی کی طرح مزا لے کر پڑھتے ہیں اور اپنی اور دیگر ساتھیوں کی اصلاح کے لئے عملی قدم اٹھانے کی کوشش کرتے ہیں۔ کوشش کا یہی جذبہ راہ پاتے ہی بڑوں تک کو اپنے دھارے میں شامل کر لیتا ہے ساحل صاحب کی اس خاموش جدوجہد کا اچھا نتیجہ ہی ان کے لئے صلہ ہے، انعام ہے اور ناموری کا ذریعہ ہے ـــــ ظاہر ہے بامقصد زندگی (ادبی) گذارنے والے قلمکار کا مقصد

www.taemeernews.com

ہی اپنے مقصد میں کامیاب ہونا ہوتا ہے۔ وہ دنیاوی شہرت اور تعریف و توصیف سے ہمیشہ بے نیاز ہی رہتا ہے۔ اس کی یہ بے نیازی ہی اس کے لئے دنیا کی بڑی دولت ہوتی ہے۔! ساحل صاحب کے حوالے سے میں یہ بات اچھی طرح اس وجہ سے جانتا ہوں کہ میں خود کسی گروپ سے وابستہ نہیں ہوں۔ تنگ نظری سے ہمیشہ گریز کرتا ہوں۔ شہرت یا ناموری کی اشتہار نہیں ہے۔ کسی کو اپنے سے کمتر سمجھنے کی کبھی غلطی نہیں کی .....! اس اعتبار سے ساحل صاحب میرے ہم مزاج اور ہم خیال ہیں۔ اگر کسی گروپ سے وابستگی کا الزام لگانا ہی مقصود ہو تو اس گروپ سے وابستہ کر سکتے ہیں جو صالح اور تعمیری ادب تخلیق کرنے میں لگا ہوا ہے اور میرے خیال میں کسی کے نزدیک بھی ایسی وابستگی تنگ نظری کا موجب ہرگز نہیں بن سکتی!!

ساحل صاحب بچوں کے شاعر اور ادیب ہونے کے باوجود بڑوں کے لئے بھی وقتاً فوقتاً لکھتے رہتے ہیں مگر یہاں بھی وہی صالح مقصد پیش نظر رہتا ہے جو بچوں کے قلم کار کی حیثیت سے رہتا ہے۔ چونکہ بنیادی طور پر آپ بچوں کے قلمکار کی حیثیت سے جانے پہچانے جاتے ہیں، مزاجاً بھی بچوں کے ہی شاعر اور ادیب لگتے ہیں۔ اس لئے بڑوں کے لئے بھی جب وہ کچھ لکھتے ہیں تو عام فہم طرز تحریر ہی اختیار کرتے ہیں اور وہی شگفتگی اور دلچسپی برقرار رکھتے ہیں جو بچوں کے لئے لکھنے میں کسی شاعر یا ادیب میں ایسی خوبی کا ایسی کوالٹی کے ساتھ ہونا بہت بڑی بات ہے! اور یہ بات ساحل صاحب نے اپنے اندر اس وقت سے پیدا کر رکھی ہے جب سے انھوں نے لکھنا شروع کیا ہے۔

بچوں کا مشہور رسالہ "ہلال" رام پور، واحد رسالہ ہے جو کمسن بچوں میں خدا شناسی اپنے بڑوں کا احترام و ادب کرنا، دوسروں کے لئے بھی بھلائی کے کام کرنا، بُری باتوں سے پرہیز کرنا، علم حاصل کرنے کا ذوق پیدا کرنا، دنیا و آخرت میں کامیاب و کامران ہونے کے گُر بتانا..... وغیرہ کا اہم فریضہ انجام دے رہا ہے۔ اس کے لئے ساحل صاحب جو کچھ لکھتے ہیں وہ سب روزمرہ کی باتیں ہی ہوتی ہیں لیکن انھیں شاعرانہ انداز میں پیش کرنے کی جو مہارت ساحل صاحب کو میسر ہے وہ بہت کم قلمکاروں کے نصیب میں ہے۔

آج کل ہڑتالیں کرنا عام بات ہو گئی ہے۔ اپنا حق مانگنے کے لئے ہڑتالوں کا سہارا لیا جاتا

www.taemeernews.com

ہے۔ اسی کو ذہن میں رکھ کر ساحل صاحب نے 'ہڑتال' نظم لکھ ڈالی جس میں محافظ کی غفلت اور بے خبری کے خلاف جنگل کے جانور ہڑتال کر دیتے ہیں۔ ہڑتال ایک شکاری سے حفاظت کے لئے ہے۔ نظم مذکورہ کے آخر میں ببر شیر (محافظ) کو مخاطب کر کے جانور کہتے ہیں ؎

رہیں گے سبھی بھوک ہڑتال پر　　نہ جائیں گے اس وقت تک اپنے گھر
کہ جب تک نہ ہوگا کوئی انتظام　　کیا ہے شکاری نے جینا حرام

آج کل جلسے جلوسوں کا بھی بازار خوب گرم رہتا ہے۔ یہ سب بھی ہڑتالوں کے ہی قبیل کی چیزیں ہیں ـــــ لہٰذا ساحل صاحب نے 'جلوس' نظم کے ذریعہ آسان پیرائے میں چھوٹے بچوں کو سمجھا دیا کہ جلوس نکالنے کا طریقہ کیا ہے اور جلوس کسے کہتے ہیں۔ جلوس نکالنے کا مقصد کیا ہوتا ہے ..... وغیرہ وغیرہ! 'جلوس' کے چند اشعار سے اس کی سلاست، روانی اور مقصدیت کا بخوبی اندازہ ہو جائے گا۔

شکاری جو جنگل میں آئے نظر　　تو پھر ڈر کے مارے سبھی جانور
گھروں میں رہے اپنے اپنے چھپے　　کہ کوئی شکاری انھیں دیکھ لے
شکاری گئے لوٹ جب اپنے گھر　　تو باہر نکل آئے سب جانور
پھر ان سب نے سوچا کہ اب کیا کریں　　ہوا طے کہ راجا سے جا کر کہیں
جلوس ایک لے جائیں راجا کے پاس　　بتائیں کہ ہم پر ہے کتنا ہراس
زراؤ کو لیڈر بنایا گیا　　اسے سب سے آگے چلایا گیا
چلے ہاتھ اپنے ہلاتے ہوئے　　چلے سب وہ نعرے لگاتے ہوئے

اگر نظم 'ہڑتال' اور 'جلوس' کو ایک ساتھ سامنے رکھیں تو ایسا لگتا ہے کہ شکاری کے مظالم کے خوف سے تنگ آکر سارے جانور راجا کے پاس اپنی شکایت لے کر گئے۔ جب ان کی شکایت پر توجہ نہ کی گئی تو انھوں نے احتجاج میں بھوک ہڑتال کر دی ـــــ! ساحل صاحب کی ایسی بہت سی نظمیں ہیں جن کا ایک دوسرے سے گہرا تعلق موجود ہے۔ ساحل صاحب کی یہ ایک ضمنی خوبی ہے۔

آپ کی کہانیاں "گدھا گھوڑا، سرکس اور دوستی وغیرہ ایسی ہی کہانیاں ہیں جو میری

www.taemeernews.com

مندرجہ بالا باتوں کی تصدیق کرتی ہیں۔

اپنی ایک نظم "پڑھنا لکھنا کام ہے میرا" میں بچوں کو سمجھاتے ہیں کہ پڑھنے لکھنے کے ساتھ کھیل بھی ضروری ہے۔ اسی کے ساتھ وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ ہر کھیل پڑھنے والے بچوں کے لئے مناسب نہیں ہے ؎

کھیلنا ہے تو کھیلو ہاکی　　کرکٹ، ٹینس اور کبڈی
میں کیوں کھیلوں گلی ڈنڈا؟

نظم "بلی دان" میں چوہوں نے بلی خالہ کو پھانس کر باور کرایا کہ لالچ بری بلا ہے ـــــ پہلے چوہوں نے بلی خالہ کو مہمان کے طور پر دعوت دی اور بلی دان جیسی عالیشان عمارت میں ٹھہرایا۔ جب بلی کو "بلی دان" میں بند کر دیا گیا تو اس کی سمجھ میں اصل بات آئی ؎

پہلے تو غرّائی بلی پھر سمجھی نادان
لالچ کا انجام یہی ہے خطرے میں ہے جان ـــــ یہ ہے بلی دان

مذکورہ نظم بچوں کے لئے اتنے آسان ڈھنگ سے لکھنا کوئی آسان کام نہیں ہے جسے ساحل صاحب نے آسان کر دکھایا ہے۔

"اللہ" کے عنوان سے لکھی گئی نظم کی سلاست اور روانی ملاحظہ فرمائیے، جو ساحل صاحب کا ہی حصہ ہے ؎

الف سے اللہ　　ب سے بلا
پ سے پنجرا　　ت سے تالا
ٹ سے ٹوپی　　ج سے جوگی
چ سے چرخہ　　ح سے حقہ
خ سے خنجر　　د سے دفتر
ڈ سے ڈبہ　　ذ سے ذرہ

آپ نے بچوں کے لئے جو غزلیں کہی ہیں ان میں بھی نظموں جیسی خصوصیات ہی اجاگر رہتی ہیں۔ بس فرق صرف اتنا ہے کہ جو بات پوری نظم میں کہی گئی ہے وہی بات غزل کے ایک

www.taemeernews.com

شعر میں سمو دی گئی ہے۔ ثبوت کے لئے ان کی ماہ دسمبر ۸۸ء کے نور میں چھپی تازہ غزل کے چند اشعار پر ہی اکتفا کیا جا رہا ہے ؎

جس کو چھوٹوں سے پیار ہوتا ہے — وہ بڑا باوقار ہوتا ہے
بے ادب ہر جگہ ہے بے عزت — با ادب باوقار ہوتا ہے
اس کو ہوتی ہے سب سے ہمدردی — خود بھی جو غم گسار ہوتا ہے
بول کر جھوٹ وہ خدا جانے — کس لئے شرمسار ہوتا ہے
دوسروں کی جو چغلیاں کھائے — سب کی نظروں میں خار ہوتا ہے
غم کوئی ہو مگر نماز کے بعد — دل کو حاصل قرار ہوتا ہے
اس کو اچھا کوئی نہیں کہتا — فیل جو بار بار ہوتا ہے
دولتِ دین جس کو مل جائے — وہ بہت مالدار ہوتا ہے

پاس کیا ہو وہ امتحان میں جو
مدرسے سے فرار ہوتا ہے

ظاہر ہے کہ مذکورہ غزل کے ہر شعر میں نظم کا لطف غزل کی ایک اہم شرط کے تحت ضروری ہے۔ ہر شعر کا مضمون اسی میں مکمل ہوتا ہے، سو ساحل صاحب نے بھی کیا۔ موصوف کی کوئی بھی غزل دیکھ لیجئے۔ ہر غزل میں یہی خوبی نظر آئے گی۔

صرف ایک محدود مضمون میں مرتضیٰ ساحل تسلیمی کی ساری تخلیقات کا احاطہ کیا جانا قطعی ممکن نہیں ہے۔ ہاں اگر کوئی ضخیم کتاب موصوف کے ادبی کارناموں (بچوں کے لئے) پر لکھی جائے تو ان کی ادبی زندگی کے متعدد گوشوں کی رونمائی ممکن ہو سکتی ہے پھر بھی ان کی ذاتی زندگی کے بہت سے گوشے پردوں کی اوٹ میں ہی رہیں گے کیونکہ نہ وہ خود پردے ہٹانا پسند کریں گے اور نہ ہی ہم ان سے ایسا کرنے کے لئے اصرار کر سکتے ہیں۔

آخر میں یہی کہنا پڑتا ہے کہ بچوں کے ادب، صالح ادب کا ذخیرہ جمع کرنے والوں میں ساحل صاحب کا مقام سب سے بلند نہیں تو بہت بلند ضرور ہے۔ خدا انھیں عمر دراز سے نوازے ؎

ہزاروں سال نرگس اپنی بے نوری پہ روتی ہے ؛ بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا

www.taemeernews.com

سراج انور

نظم حسرت میں بھی مزا نہ رہا!

مرتضیٰ ساحل تسلیمی پچھلی دو دہائیوں سے بچوں کے لئے لکھ رہے ہیں۔ وہ بچوں کے ایک معروف ادیب ہیں اور بچوں کے رسائل میں لگاتار لکھ رہے ہیں۔ ان دنوں بچوں کے ادیبوں کا اچانک قحط پڑ گیا ہے۔ شاید اس کی وجہ یہ بھی ہے کہ حکومت کی طرف سے اُن کی خاطر خواہ پذیرائی نہیں ہوئی ہے جبکہ دوسرے شعبوں میں حکومت نے بہت زیادہ توجہ دی ہے۔ بچوں کے ادیبوں کو اچھی نظر سے دیکھا بھی نہیں جاتا اور بہت سے دانشور یہ سمجھتے ہیں کہ اُن ادیبوں نے اعلیٰ تعلیم یا ڈاکٹریٹ حاصل کر کے محض جھک ماری ہے۔ اتنا تعلیم یافتہ انسان صرف بچوں کے لئے لکھے! یہ بات دوسروں کے لئے حیرت کا باعث بن جاتی ہے۔ حیرت کم اور تحقیر کا عنصر زیادہ ہوتا ہے یہی وجہ ہے کہ بچوں کے ادب کی جانب بہت سے ادیب متوجہ نہیں ہو پاتے۔ مرتضیٰ ساحل تسلیمی نے یہ خدمت بہ طرزِ احسن انجام دی ہے اور اپنی کہانیوں میں انھوں نے ایک اُستاد کی طرح بچے کی انگلی پکڑ کر گویا اُسے سارے جہاں کی سیر کرا دی ہے اور سیر ہی سیر میں بہت سی کام کی باتیں بھی بتا دی ہیں۔

گذشتہ دنوں میں انھوں نے بچوں کے لئے بہت سی نظمیں اور کہانیاں لکھی ہیں جو بچوں کے مقتدر رسائل میں شائع ہوتی رہی ہیں۔ ایسی ہی کچھ کہانیاں چھوٹی چھوٹی کتابوں کی صورت میں الحسنات پبلی کیشنز نے شائع کی ہیں جو بچوں کے ادب میں ایک قابلِ قدر اضافہ ہیں۔ ان کتابوں میں شام کا بھولا، نرم ٹہنی، جلوس، کھوٹی اٹھنی، توبہ اور نظموں میں گیت، غزل، سچا مسلمان بنا دے، شرارت کا انجام، میں پاس اگر ہو جاؤں گا، سالِ نو اور ماں کا رتبہ شامل ہیں۔

۱۔ **شام کا بھولا** نامی کتاب میں چار دلچسپ اور اصلاحی کہانیاں شامل ہیں۔ شام کا بھولا

www.taemeernews.com

پہلی کہانی ہے جس میں دو دوستوں مظفر اور شاہد کی ایک چھوٹی سی لڑائی کی داستان بڑے پیارے انداز میں پیش کی گئی ہے۔ ہاکی کھیلتے ہوئے شاہد نے دانستہ مظفر کے ہاکی ماردی تھی اور پھر اکڑنے بھی لگا تھا کہ ہاں میں نے ماری ہے، تم سے کچھ کیا جائے تو کرلو۔ بعد میں شاہد کو علم ہوتا ہے کہ ہاکی کے میچ میں مظفر دانستہ شامل نہیں ہوا اور اس کے بجائے شاہد کو لے لیا گیا۔ مظفر کی ٹانگ ٹھیک تھی مگر وہ شاہد کے بھائی کے کلینک میں جاکر ٹانگ پر پٹی بندھوا لیتا ہے اور کہتا ہے کہ وہ دوستوں سے مذاق کرے گا۔ شاہد کو جب علم ہوتا ہے تو وہ جاکر مظفر سے معافی مانگ لیتا ہے۔

اس کتاب کی دوسری کہانی **نقد سودا** بھی اسی انداز کی ہے۔ مرتضیٰ ساحل تسیمی صاحب دراصل کسی صورت سے بھی اصلاح کا پہلو نہیں چھوڑتے۔ وہ بچوں کو سیدھی سادی سی کہانی سناتے ہوئے چلتے ہیں اور اس کہانی کا انجام اتنے اچھے انداز میں بیان کرتے ہیں کہ وہ دل پر اثر کئے بغیر نہیں رہتا اس کہانی میں ایک محنتی لڑکے کی کہانی بیان کی گئی ہے جو اپنی محنت کے بل بوتے پر احمد آباد کے کپڑے مل کے پارٹنر کے زیر سایہ آگیا۔ انھوں نے ہی اُسے پڑھایا لکھایا اور پھر بعد میں اُسے اپنے کاروبار میں شریک کرلیا۔ کتاب کی طباعت و کتابت خوبصورت اور دیدہ زیب ہے اور قیمت صرف ۳/۵۰ روپے ہے۔ اتنی کم قیمت پر ایسی اچھی کتاب مشکل سے ہی دستیاب ہوگی۔

۲۔ **نرم ٹہنی** میں چھ دلچسپ اور اصلاحی کہانیاں شامل ہیں۔ پہلی کہانی نرم ٹہنی ہی ہے۔ ہونہار لڑکا شعیب ہر کام میں لوہار کے لڑکے رمضان کی نقل کرتا ہے۔ ماں باپ پریشان ہوجاتے ہیں، اور مجبور ہوکر ابّو شعیب کو لوہار کی دکان پر ہی کام سیکھنے بٹھا دیتے ہیں۔ شعیب چند دن ہی میں عاجز آجاتا ہے اور پھر اپنے والد سے معافی مانگ کر کہتا ہے کہ اب وہ کبھی کسی کی نقل نہیں کرے گا۔ کہانی اچھی ہے اور بچوں کو یہ ہدایت دیتی ہے کہ وہ کبھی کسی کی نقل نہ کریں۔ اسی انداز کی کہانی "واہ مولانا" عہد، شکایت، دوستی اور ندامت ہے۔ آخری کہانی میں پتنگ بازی جیسی بری عادت کو تج دینے کے لئے بچوں کو اس طرح اُکسایا گیا ہے کہ کہانی کا ہیرو جاوید بجلی کے تار سے جھٹکا کھاکر گھر کے صحن میں گر پڑتا ہے اور پھر ٹھیک ہوجانے پر اس خطرناک کھیل سے توبہ کرلیتا ہے۔

۳۔ **منقلی سورما** کتاب میں بھی پانچ اصلاحی کہانیاں شامل ہیں۔ نیا سورج، محنت کا صلہ، نئی زندگی، رِزلٹ وغیرہ۔ یہ سبھی کہانیاں بچوں کی روزمرہ زندگی میں آنے والے واقعات و حادثات

www.taemeernews.com

پر مبنی ہیں اور ہر کہانی اصلاح کا پہلو لیے ہوئے ہے۔

۴۔ اسی طرح کتاب **کھوٹی اٹھنی** کتاب ہیں بیحد آسان اُردو میں بچوں کے ذہن میں یہ بات بٹھائی گئی ہے کہ کسی کو دھوکا دینا بہت بری عادت ہے اگر کسی بچے کے پاس کوئی کھوٹی اٹھنی آ بھی جائے تو اُسے چاہیئے کہ وہ اُسے آگے چلا کر کسی کو دھوکا نہ دے۔ وہ خود تو دھوکا کھا گیا لیکن یہ اچھی بات نہیں کہ دوسروں کو بھی دھوکا دے۔ اس کتاب کی کتابت وطباعت جلی حروف میں ہے اور یہ بچوں کے چھ سے نو سال تک کے گروپ کے لئے ہے۔ قیمت بھی بہت کم ہے یعنی ۵۰/۱ روپے

ایسپ نے آج سے پانچ سو سال پہلے جانوروں کی اَن گنت کہانیاں لکھی تھیں۔ پھر ہمارے ملک ہندوستان میں بھی پنج تنتر کی کہانیاں لکھی گئی تھیں جن میں سے بیشتر جانوروں کے رہن سہن کے بارے میں ہیں۔ مرتضیٰ ساحل صاحب نے کہانی "باپ کی نصیحت" میں ایک شیر اور اس کے بیٹے منو کے گرد بھی کہانی کا تانا بانا بُنا ہے۔ بچے جانوروں کی کہانیاں بہت شوق سے پڑھتے ہیں اور انھیں اپنی ہی جیسی حرکتیں کرتے دیکھ کر خوش ہوتے ہیں۔ ایسی ہی خوبصورت کہانیوں کی ایک عمدہ مثال طویل کہانی **جلوس** ہے۔ جنگل کے مختلف جانوروں اور پرندوں کو بنیاد بنا کر اس کہانی کی تخلیق کی گئی ہے جو بہت سبق آموز ہے۔ جنگل کے ایک شیر کو سرکس والے پکڑ کر لے جاتے ہیں۔ جنگل میں ہل چل مچ جاتی ہے اور پھر طوطا، گدھا اور بندر اُس شیر کو آزاد کرانے کے لئے سرکس پر حملہ کر دیتے ہیں۔ آپسی محبت اور بھائی چارے کے جذبے کو اس کہانی میں بڑی عمدگی سے اُجاگر کیا گیا ہے اور یہ بات بھی بچوں کے ذہن نشین کرائی گئی ہے کہ مصیبت میں ہمیں ایک دوسرے کے کام آنا چاہیئے اور ایسے وقت میں کندھے سے کندھا ملا کر چلنا چاہیئے۔ کتاب چھ سال سے چودہ سال تک کے بچوں کے لئے لکھی گئی ہے۔ عمدہ کتابت وطباعت سے مزین۔ اس کی قیمت صرف تین روپے پچاس پیسے ہے جو ۶۶ صفحے کی کتاب کے لئے موزوں ہے۔

۶۔ **توبہ**۔ نانی اماں بچوں کو اللہ میاں کی کہانی سُنا کر بتاتی ہیں کہ چغلی کھانا کتنی بُری عادت ہے اور یہ بھی کہ چغلی کھانے والے جنت میں نہیں جائیں گے۔ بچے یہ بات سن کر عہد کرتے ہیں کہ وہ کبھی چغلی نہیں کھائیں گے۔ اسی کتاب کی کہانی "کبھی ایسا نہیں کروں گا" میں یہ دکھایا گیا

www.taemeernews.com

ہے کہ سلیم کو گلی میں لگے ہوئے بجلی کے بلب توڑنے کی عادت تھی مگر جب ایک رات کو اُس کے ابو گلی میں ٹھوکر کھا کر گر گئے تو سلیم کو اپنی غلطی کا احساس ہوا۔ نہ وہ گلی کا بلب توڑتا نہ اندھیرا ہوتا اور نہ اُس کے ابو گرتے۔ سلیم نے عہد کر لیا کہ آئندہ وہ کبھی ایسا نہ کرے گا۔ اسی کتاب کی دوسری کہانیاں "چوری کی سزا" اور "بُری بات" بھی اصلاحی کہانیاں ہیں جن میں چوری کی بُری عادت کا انجام اور اُس کے نقصان دکھائے گئے ہیں۔

غرض یہ سب کتابیں بچوں کی ذہنی نشوونما میں ممد و معاون بن سکتی ہیں لیکن یہ بات میں ضرور کہوں گا کہ ان میں سے اکثر کہانیوں کی زبان کافی مشکل ہے۔ بچوں کے لئے لکھنے کی پہلی شرط یہ ہے کہ آسان اُردو میں لکھا جائے۔ مرتضیٰ ساحل تسلیمی نے چند جملے ایسے لکھے ہیں جو ذرا مشکل ہیں۔ "پٹائی اصلاح کا مؤثر طریقہ بھی تو نہیں؟" "دوستوں سے کرب کا اظہار کیا۔" "اسلم کو زیر کرنے کا جذبہ شدت اختیار کر لیتا۔" "ان کے لہجے میں جہاں کرختگی تھی وہیں گداز بھی تھا۔" "اقلیتی فرقوں کے ساتھ امتیازی برتاؤ۔"

بچوں کے لئے کہانی لکھنے کا فن یہ ہے کہ زبان آسان اور شگفتہ ہو۔ بچہ آسانی اور روانی سے پڑھتا جائے اور کہیں بھی کسی مشکل لفظ کے آ جانے پر الجھن کا شکار نہ ہو! اگر ایسا ہو گیا تو پھر کہانی کی روح مر جاتی ہے اور جو بات کہانی کار کہنا چاہتا ہے اس کو سمجھنے کے لئے بچّے کو لغت کا سہارا لینا پڑتا ہے۔ تحریر کی روانی میں یہ رکاوٹ کہانی کو بے جان کر دیتی ہے مگر اس کا یہ مطلب نہیں کہ مرتضیٰ ساحل صاحب کی سبھی کہانیاں مشکل الفاظ سے پُر ہیں۔ ایسی بات نہیں ہے بلکہ بیشتر کہانیاں اس عیب سے پاک ہیں اور بہت ہی آسان اُردو میں تحریر کی گئی ہیں۔ یہ بات تو برسرِ راہ تھی لیکن حقیقت یہ ہے کہ جناب مرتضیٰ ساحل صاحب نے بچوں کے اخلاق اور عادات کو سنوارنے کی جو کاوشیں ان کتابوں کے ذریعے کی ہیں وہ لائقِ صد مبارکباد ہیں۔ آج کے بچوں کا ادب جب کل کا مؤرخ ترتیب دے گا تو اس میں مرتضیٰ صاحب کا نام بھی احترام اور تعظیم سے لیا جائے گا۔

مرتضیٰ ساحل تسلیمی صاحب نے نثر کے میدان میں ہی اپنا سکہ نہیں جمایا ہے بلکہ شاعری میں بھی اپنا جواب نہیں رکھا۔ بچوں کے لئے نظمیں لکھنے کا سہرا علامہ اقبالؒ، حضرت امیر خسروؒ، اکبر الہ آبادی

www.taemeernews.com

برج نرائن چکبست، مولوی اسماعیل میرٹھی، حامد اللہ افسر، بیتاب امروہوی اور شفیع الدین نیر کے سر بند ھا ہے لیکن عصر حاضر میں مرتضیٰ صاحب نے اس صنف میں بچوں کے لئے ان گنت نظمیں بھی کہی ہیں۔ نثر کے مقابلے میں نظم میں چونکہ ایک قسم کی غنائیت بھی ہوتی ہے اس لئے وہ بچوں کے دل پر زیادہ اثر انداز ہوتی ہیں۔ دل کے ارماں آنسوؤں میں بہہ گئے، والا گیت بھی اس کلیہ کی ایک نمایاں مثال ہے۔ اس گیت میں فیل ہونے والے ایک بچے کے دلی تاثرات کو بہت خوبی سے پیش کیا گیا ہے۔ غزل جس کا مطلع ہے "جس کو چھوٹوں سے پیار ہوتا ہے، وہ بڑا باوقار ہوتا ہے" دل کی حدوں کو چھو لینے والی غزل ہے۔ ہر شعر اپنی جگہ خوب ہے۔ خاص طور سے تیسرا شعر "بے ادب ہر جگہ ہے بے عزت، باادب باوقار ہوتا ہے۔" اسی طرح "سچا مسلمان بنا دے" بھی تسلیمی صاحب کے مذہبی جذبے کی نشان دہی کرتا ہے کہ وہ کس طرح آج کے بچوں کو مذہب کی طرف راغب کر رہے ہیں۔ غرض "میں اگر پاس ہو جاؤں، شرارت کا انجام، سالِ نو اور ماں کا رتبہ" والی نظمیں بھی خوب ہیں اور ان میں اصلاح کا پہلو مضمر ہے۔ کوئی وجہ نہیں کہ بچہ انھیں پڑھے اور ان سے متاثر نہ ہو۔

تسلیمی صاحب کی بچوں کے لئے محبت اُن کی ہر تحریر سے جھلکتی ہے اور پڑھنے والے کو احساس ہوتا ہے کہ وہ نونہالانِ قوم کی ذہنی تربیت اور اصلاح کے لئے کتنی تگ و دو کر رہے ہیں۔ میرے خیال میں اُن کی اِن کوششوں کو سراہنا چاہیئے۔ مجھے یقین ہے کہ بچوں کا ادب، اُن کو کبھی فراموش نہ کر سکے گا اور اُن کی تحریریں بہت ہی توجہ اور پسندیدگی سے پڑھی جائیں گی۔

www.taemeernews.com

بچّوں کے ادب کا ٹکسال

آج اس وقت ساحل صاحب کے بارے میں اپنی رائے کا اظہار کرتے ہوئے مجھے اقبالؒ کا یہ مشہور شعر یاد آرہا ہے ؎

سنا ہے خاک سے تیری نمود ہے لیکن
تری سرشت میں ہے کوکبی و مہتابی

اہل رام پور کے لئے باعث افتخار شخص مرتضیٰ علی خاں ساحل تسلیمی اپنے منفرد لہجہ اور مخصوص انداز گفتگو کے ساتھ جہاں اپنے حلقہ احباب میں ایک مقام رکھتے ہیں وہاں وہ گلشنِ ادب کا ایک مہکتا ہوا پھول بھی نظر آتے ہیں جس کی خوشبو ملک کے گوشہ گوشہ میں پھیلتی جارہی ہے اور مجھے یقین ہے کہ آئندہ چند برسوں میں یہ نام انٹرنیشنل حیثیت اختیار کرلے گا۔

ساحل صاحب کے بارے میں میرے یہ تاثرات اس لئے توصیفی نہیں کہ وہ میرے والد کے بہت گہرے اور خاص دوست ہیں میرے بھائی کے ملنے والے ہیں (اگرچہ والد اور ان کی عمروں کا تضاد باپ بیٹے کی صف میں لاکھڑا کرتا ہے) بلکہ تعلق کی اس فصیل سے پرے ایک ناقد اور مصنف کی نگاہ سے دیکھا جائے تو ملک وقوم کا ایک گراں بہا سرمایہ نظر آتے ہیں۔ میں انھیں پورے ادارہ الحسنات کے ترتیب کار کی حیثیت سے بھی جانتی ہوں کہ چار پانچ رسائل کی ترتیب مشکل اور بہت مشکل مسئلہ ہے جسے ان کی ذات ہی حل کرتی ہے۔

بتول کے لئے اداریہ اُن کا سونے پر سہاگہ کا کام دیتا ہے۔ بتول پڑھنے والے قارئین و قارئات اچھی طرح جانتی ہیں کہ سماج کے دکھتے ہوئے زخموں کی وہ کتنی چابکدستی اور مہارت

www.taemeernews.com

سے نشتر زنی کر کے بہنوں کو سوچنے کا موقع دیتے ہیں اور ان کا یہ منفرد انداز تحریر سب کے دلوں کو کتنے اچھے ڈھنگ سے چھو جاتا ہے۔ مثلاً

میں ۱۷ر جولائی ۹۰ء کی صبح میں پنجاب میل سے لکھنؤ کے لئے سوار ہوا۔
میرے بعد دوسرے مسافروں کے علاوہ ایک نوجوان جوڑا بھی اسی کمپارٹمنٹ میں داخل ہوا۔
نوجوان باریش اور خوبرو تھا۔ خاتون سیاہ برقع میں تھیں۔
جیسے ہی ٹرین نے پلیٹ فارم چھوڑا خاتون نے برقع اتار کر کنڈیا میں رکھ لیا۔
اور بڑی بے نیازی سے اپنے ساتھی سے سرگوشیاں کرنے لگیں۔
کمپارٹمنٹ میں موجود مسافروں میں سے بھی کچھ ان کی مسکراہٹ کے جھڑتے ہوئے پھولوں سے محظوظ ہونے لگے۔
میں سر جھکائے پردہ کی اس نوعیت پر غور کرنے لگا۔
اچانک مجھے سورۂ احزاب کی ایک آیت کی تفسیر یاد آگئی۔
"اے نبی اپنی بیویوں، بیٹیوں اور مسلمان عورتوں سے کہہ دو کہ
جب اپنے گھروں سے کسی حاجت کے لئے نکلیں تو لونڈیوں کے سے لباس نہ پہنیں
کہ سر اور چہرے کھلے ہوں۔
بلکہ وہ اپنے اوپر چادروں کے گھونگھٹ ڈال لیا کریں
تاکہ کوئی فاسق ان سے تعرض نہ کر سکے اور سب جان لیں کہ وہ شریف عورتیں ہیں۔

ذرا سوچیے ــــ
کیا پردہ کا حکم سفر کے لئے نہیں ہے؟
کیا مذکورہ خاتون کا پردہ اسلام کی روح کے مطابق ہے؟
کیا یہ اسلامی شریعت سے مذاق کے مترادف نہیں ہے؟
کیا غیر مسلموں پر خاتون کے اس طرح اچانک بے پردہ ہونے سے اچھا اثر پڑے گا؟
کیا ٹرین کا سانحہ تفسیر ابن جریر کے اس اقتباس سے مختلف نہیں ہے؟

(ادارہ بتول ستمبر ۱۹۹۰ء)

www.taemeernews.com

میری نظر میں ساحل صاحب کا سب سے اہم کارنامہ بچوں کے ادب میں نمایاں مقام حاصل کرنا ہے اگرچہ انھیں وہ مقام تو اب بھی نہیں ملا ہے جس کے وہ اہل ہیں مگر پھر بھی ان کی کاوشیں ایک روز ضرور رنگ لاکر رہیں گی اور کوکبی و مہتابی صفت والے ساحل صاحب اس میدان میں مہر عالم تاب کی مانند چمکیں گے انشاءاللہ۔

کارلائل نے کہا "کام عبادت ہے اگر خلوص دل سے کیا جائے" ساحل صاحب یہ عبادت اپنی تمام تر صلاحیتوں کو بروئے کار لاتے ہوئے انجام دے رہے ہیں۔

کہانی کہنا اور سننا انسان کی ازلی ضرورت اور فطرت ہے۔ تاریخ شاہد ہے کہ سلاطین و اُمراء داستان گو محض اس لئے اپنے دربار میں رکھا کرتے تھے کہ وہ داستانی دلچسپیوں سے انھیں محظوظ کراتے تھے ـــــ پھر وقت نے کروٹیں بدلیں تو حالات کے ساتھ ساتھ خیالات اور انسانی سوچ کا انداز بھی بدلا اور اس داستان سرائی کی شکل بالکل ہی بدل گئی ـــ اب فکشن (FICTION) کا دور ہے۔ فکشن کو پڑھنے، لکھنے اور سمجھنے کی اسٹیج آنے تک عمر عزیز کے کتنے ہی سال سرک جاتے ہیں ـــــ اس منزل سے پہلے انسان جس اسٹیج میں ہوتا ہے وہ عالم طفولیت کی اسٹیج ہوتی ہے ـــ اور یہ اسٹیج انسانی کردار کو بنانے کے لئے بڑی اہم ہے۔

بچے کسی قوم کا عزیز ترین سرمایہ ہوتے ہیں۔ زندہ اور بیدار قومیں اس سرمائے کی نگہداشت کو اپنی اولین اور اہم ترین ذمہ داری تصور کرلیتی ہیں کیونکہ بچوں کی ابتدائی تعلیم و تربیت اور ذہنی ساخت و پرداخت ہی ان کی آئندہ زندگی کی سمت اور نوعیت کا تعین کرتی ہے ـــ ماں کی گود گھر کا ماحول، تعلیم گاہوں کی فضا اور گرد و پیش کے حالات ان کی سیرت کی تعمیر اور شخصیت کی تشکیل میں نمایاں کردار ادا کرتے ہیں۔ خیر و شر کے یہ سرچشمے انھیں عزت کے ساتھ جینے اور مرنے کے آداب سکھا کر قوم کے تاج افتخار کا نگینہ بھی بنا سکتے ہیں اور زندگی کے مقاصد و مطالبات سے بے خبر رکھ کر وقت کے بے رحم تھپیڑوں کے حوالے بھی کر سکتے ہیں اس بات سے کسی کو انکار نہیں ہو سکتا کہ آج کے مہذب شائستہ، غیور، ایمان دار اور سخت کوش بچے ہی کل کے ذمہ دار شہری اور عہد نو کے نقیب بنتے ہیں ـــ اسی لئے قوم کے کچھ باصلاحیت

www.taemeernews.com

اہل الرائے دانش مند اور درد مند افراد اپنے اپنے دائرہ حدود اور استطاعت کو استعمال کرتے ہوئے نئی نسلوں کی راہوں میں چراغ جلائے اور انھیں اندھیروں میں بھٹکنے اور غلط راہوں پر چلنے سے روک سکتے ہیں ـــــ

شاعروں اور ادیبوں کی حیثیت "دیدۂ بینائے قوم" کی ہوتی ہے اس بنا پر ان کی ذمہ داریاں اور بڑھ جاتی ہیں۔

اور ساحل صاحب نے یہ ذمہ داری بہت گہرائی کے ساتھ محسوس کی ہے۔ تب ہی تو بچوں کے ادب میں ان کا نام بہت اہمیت کا حامل ہے۔ یہ حقیقت ہے کہ بچوں کے ادب میں گنے چُنے نام ہی منظرِ عام پر آئے ہیں۔ جن حضرات نے بچوں کو اپنی خدمات کے تحائف بخشے ہیں ان کی فہرست بہت طویل تو نہیں ہے شفیع الدین نیر، سراج انور، محوی صدیقی، مائل خیر آبادی اور زاہد صاحب کے نام نمایاں طور پر لئے جاتے ہیں۔ البتہ اس دور میں مرتضیٰ ساحل تسلیمی صاحب کا نام نامی کم از کم اس ملک میں شاید محتاجِ تعارف نہ ہو۔

میں تو یہی سمجھتی ہوں کہ بچوں کے لئے لکھنا مشکل اور بہت مشکل ہے۔ مجھ سے اگر کوئی کہے کہ بچوں کے لئے کہانی لکھ دو تو شاید ناول کی تو کئی اقساط لکھ جائیں مگر بچوں کی کہانی میں کامیابی نہ ہونے پائے ـــــ مجھے اچھی طرح یاد ہے کئی سال قبل ہلال کے لئے ایک کہانی لکھی تھی ساحل صاحب نے نہ جانے کتنی جگہ الفاظ کو آسان اور عام فہم زبان میں تبدیل کیا تھا ـــــ

کیونکہ ادب کو جب بچوں کے لئے مخصوص کر دیا جاتا ہے تو پھر بچوں کے ذہن و مزاج طبیعت، پسند ناپسند، ماحول، ان کے فطری تجسس، ان کے سوالوں کا جواب ان کی آسودگی کو ملحوظ رکھنا ضروری ہوتا ہے۔ پھر مواد کے علاوہ ہیئت کے سلسلے میں انداز بیان کی خوبیوں اور خامیوں پر نظر رکھنا بھی لازمی ہے، کیونکہ مشروط طور پر جو ادب بچوں کے لئے تخلیق کیا جائے اس میں سلاست روانی، شگفتگی، عام فہم انداز، سادا و پُر اثر اسلوب، تشبیہات، استعارات اور گنجلک عبارتوں سے پرہیز اور اخلاقی قدروں کو پیش کرنے میں فنکارانہ انداز کو بڑا دخل ہوتا ہے گویا ادیبوں اور شاعروں کے لئے یہ بڑی آزمائش کا سبب ہوتا ہے۔ اور اس

www.taemeernews.com

آزمائش میں مرتضیٰ ساحل تسلیمی صاحب ایک مستند حیثیت حاصل کر چکے ہیں۔

وہ نہ صرف بچوں کے شاعر کی حیثیت سے مقبول ہوئے ہیں بلکہ ادبی میدان میں بچوں کے ادب میں اُن کو بڑی دسترس حاصل ہے۔

وہ بڑے اچھے انداز میں بچوں کے لئے کہانیاں پیش کرتے ہیں۔

یہ کہانیاں بالکل سیدھے سادے انداز عام فہم زبان میں استعاراتی شکل میں ہوتی ہیں۔ مثلاً وہ بچوں کو عموماً شیر، گیدڑ، ہاتھی، گھوڑا، لومڑی، ریچھ، بندر، گدھا وغیرہ کی کہانیاں سنایا کرتے ہیں ـــــ ان کہانیوں کو پڑھ کر ایسا لگتا ہے جیسے ہم بھی کسی جنگل میں کھڑے ان جانوروں کا تماشا دیکھ رہے ہیں۔ اُن کے رہن سہن، انداز گفتگو اور طور طریقے سے لطف اندوز ہو رہے ہیں۔ ان میں بھی وہی نفرت، محبت، بغض و عناد اور لڑائی جھگڑوں کے مسائل نظر آتے ہیں ـــــ بچے بڑی توجہ اور دھیان سے ان سب کو پڑھتے ہیں اور محظوظ ہوتے ہیں۔

کبھی وہ نٹ کھٹ، بدلہ، جلوس، شام کا بھولا، توبہ، پکنک اور نرم ٹہنی جیسی کہانیاں پیش کر کے بچوں میں مقبول ہوتے ہیں تو کبھی کھوٹی اٹھنی، نقلی سورما اور بھولا راجا جیسے شہ پارے ان کے قلم سے تخلیق پاتے ہیں تو بچے کے دل و دماغ میں طلب اور بھی بڑھ جاتی ہے۔ ان سب میں وہ آورد کو اس انداز سے پیش کرتے ہیں کہ اس میں آمد کا لطف آتا ہے اور آورد کا گمان بھی نہیں ہو پاتا۔

ایسا لگتا ہے کہ انھیں بچوں کی نفسیات کا گہرا مطالعہ اور بچوں کے مسائل پر گہری نظریں رکھنی آتی ہیں ـــــ کہیں ان کا قلم ایک مصور کا قلم بن جاتا ہے کہیں وہ ایک مصلح کے روپ میں بچوں کے ذہن میں خیر و شر کے فرق کو واضح کرنے کی کوشش کرتے ہیں تو کہیں ایک منصف کی حیثیت سے ان کے مسائل کو حل کر کے فیصلے سنا دیا کرتے ہیں۔ حال ہی میں اُن کا شائع ہوا ایک ناولٹ بھولو راجا اتنا مقبول ہوا کہ بچے ان سے ایسی ہی کہانیوں کی تمنا کرنے لگے۔

انھوں نے نوعمر بچوں کے لئے بھی کہانیاں لکھی ہیں جن کی صحیح تعداد سے تو میں ناواقف ہوں مگر میں نے ان کی بہت سی کہانیاں پڑھی ہیں ـــــ وہ سب اپنی معنویت

www.taemeernews.com

افادیت اور انداز تحریر کے اعتبار سے اپنی جگہ ایک الگ حیثیت کی حامل ہیں ان سب سے الگ ساحل صاحب بچوں کے شاعر کی حیثیت سے ایک اہم مقام حاصل کر چکے ہیں. ان کی یہ شاعرانہ حیثیت بڑی مسلّم بن چکی ہے ۔

میرا تو اندازہ ہے کہ آئندہ آنے والے چند سالوں میں ریسرچ اسکالر اپنے ریسرچ کے لئے شاید یہی موضوع منتخب کریں گے یعنی "بچوں کے شاعر مرتضیٰ ساحل تسلیمی" ۔

ادارہ الحسنات بہت سالوں سے بچوں کا ایک رسالہ 'ہلال' کے نام سے شائع کرتا ہے جس کی مقبولیت کا راز ہی شاید ساحل صاحب کی نظمیں اور کہانیاں ہیں ـــــ سرورق ہمیشہ ہی اُن کی ایک خوبصورت سی نظم سے سجا رہتا ہے. اندر پہلے صفحہ پر دنیا کی ہر چیز کے بارے میں نہایت آسان الفاظ میں بچوں سے سوال کرتے ہیں کہ بولو بچو! کس نے بنایا ؟

سرورق پر کبھی وہ بچوں کو چڑیا گھر کی سیر کراتے ہوئے مور کی تعریف کرتے ہیں کہ ؎

وہاں خوبصورت پرندے بھی تھے ـــــ ہمیں مور ہی سب سے اچھے لگے

کبھی وہ بچوں کی ملاقات 'ڈاکٹر بندر' سے کراتے ہیں ۔

ان سے ملئے یہ کون مسٹر ہیں
واہ بھئی واہ یہ تو بندر ہیں

اور کبھی وہ بچوں سے پہیلیاں بوجھتے ہیں

سب کے آتا ہوں کام کون ہوں میں
یاد ہے میرا نام کون ہوں میں

اور پھر خود ہی آخری شعر میں اس کا حل بتاتے ہیں :

جاننا ہو اگر مجھے بچو!
ج روس میں ڈھونڈو

ایک نظم میں بچوں سے اس طرح مخاطب ہیں :

مری اک پہیلی بتاؤ میاں — ذرا عقل اپنی لڑاؤ میاں
وہ کیا ہے اندھیرے میں اکثر جسے — جلاتے ہیں ہم روشنی کے لئے

www.taemeernews.com

پھر خود ہی آخری شعر میں اپنی اس پہیلی کا جواب یوں بتاتے ہیں

یہ بس 'ش' ہے 'م' ہے اور 'ع'
یہ کیا ہے دیا، لیمپ یا لالٹین

ایک بھکاری اندھے فقیر کے بارے میں کچھ اس انداز سے بتاتے ہیں کہ دل خود بخود درد سے بھر آتا ہے۔

اگر بے نور آنکھیں ہوں　　اگر بے کار ٹانگیں ہوں
جو محنت ہی نہ کر پائے　　جو در در مانگنے جائے
جو اپنے ہاتھ پھیلائے　　بہت کمزور ہو جائے
جو لوگوں کو دعا دے کر　　جو ہر گھر پہ صدا دے کر
کہے اللہ کے بندو!　　خدا کے نام پہ دے دو

تو تم اللہ سے ڈرنا
مدد اس شخص کی کرنا

یہ اور اس طرح کی بیشمار نظمیں منظرِ عام پر آکر مقبول عام ہو چکی ہیں۔ مثلاً "ٹریفک کانسٹبل۔ شرارت کا انجام۔ شرارتیں۔ ارادے۔ نصیحت۔ اے نورِ نظر۔ چڑیا۔ ماہِ صیام آیا۔ عید منائی۔ میں اگر آن پڑھ ہوتا۔ اچھی عادتیں۔ یارب ہمیں اک سچا مسلمان بنا دے۔ ایک مکالمہ۔ تعارف۔ اور ماں باپ ــــ ماں باپ میں انھوں نے قرآنی آیات کے حوالے سے اپنے جذبات کا اظہار کیا ہے۔

میرے بھائیو، بہنو اور دوستو!　　یہ فرمانِ رب کا ہے اس کو پڑھو
یہ تاکید کی اُس نے انسان کو　　کہ ماں باپ سے تم بھلائی کرو
کہ تکلیف سے ماں اٹھائے پھری　　بوقتِ ولادت اذیت سہی
کرو یہ دُعا میرے پروردگار　　تو دونوں پہ کر اپنی رحمت نثار
اسی طرح جیسے انھوں نے مری　　میں بچہ تھا جب، پرورش میری کی

اور ان سے کرو تم ادب سے کلام
کہ ملحوظ رکھو سدا احترام!

www.taemeernews.com

ماں کے حقوق اور مراتب کے بارے میں وہ مشہور حدیث کے حوالے سے بھی نظم "ماں کا رتبہ" لکھتے ہیں۔ ان کی ایک نظم 'چوکیدار' مہاراشٹر میں بچوں کی کتاب ــــ بال بھارتی میں شامل ہے۔ حمد کے ذریعہ خدا کا شکر ادا کرتے ہیں تو نعت کی شکل میں حضورؐ کی شان میں اپنے جذبوں کا اظہار کر کے خراج عقیدت پیش کرتے ہیں۔ اس کے علاوہ علم، امتحان، نیک ارادے، غزلیں اور اسی طرح کی دیگر نظموں کے علاوہ انھوں نے ہکلی نظم لکھ کر بچوں کو ہنسنے پر مجبور کیا ہے۔

پ پ پچھلے ماہ چچا کے گھر لا لا لکھنو تھے گئے ہوئے
لے لے ایک دن چ چ چ چڑیا گھر ا ا ابو لے کے ہمیں گئے

ان سب کے علاوہ انھوں نے گیتوں کی طرز پر بھی نظمیں لکھی ہیں جن میں سے یہ بہت مقبول ہوئی ہے

سختیاں، ناکامیاں ہم سہہ گئے
چاند کی مانند لیکن گہہ گئے
داغ ناکامی کا لے کر رہ گئے
"دل کے ارماں آنسوؤں میں بہہ گئے"

جاگ کر پرچے بنائے رات بھر
نقل کی ــــ گرچہ تھا ہر لمحہ خطر
پاس پھر بھی ہم نہ ہو پائے مگر
ساتویں میں فیل ہو کر رہ گئے

غرض یہ ہے کہ بچوں کے لئے اُن کی خدمت کا یہ سفر جاری و ساری ہے۔ ان سے قوم کے نونہالوں کو بہت سی امیدیں وابستہ ہیں۔

مجھے یقین کامل ہے ایک روز وہ مہر عالم تاب بن کر بچوں کے ادب کو منور کریں گے۔ ان شاء اللہ۔

www.taemeernews.com

سراج الدین ندوی

خاموشیٔ ساحل

علامہ شبلیؒ نے ندوۃ العلماء کے ایک اجلاس کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا تھا: "اگر یہ کہا جائے کہ ندوۃ العلماء نے کیا کیا ہے؟ تو میں کہوں گا کہ ندوۃ العلماء نے کچھ نہیں کیا ہے صرف ایک سلیمان کو پیدا کر دیا ہے تو کیا یہ کافی نہیں ہے؟"

علامہ شبلیؒ کے الفاظ میں معمولی تغیر کر کے اگر کہا جائے کہ مولانا عبدالحیؒ نے کیا کیا ہے؟ اور جواب میں یہ کہہ دیا جائے کہ مرحوم نے کچھ نہیں کیا بس رام پور کے ایک کلرک کو "مرتضیٰ ساحل تسلیمی" بنا دیا ہے تو یہ ان کی عظمت کا جیتا جاگتا ثبوت، ان کے لئے بہترین خراجِ عقیدت، ان کے کارناموں کی نشاندہی کے لئے حسین آغاز ہوگا۔

"نور" اور "ہلال" کے مختلف کالموں کے ذریعہ مرتضیٰ ساحل تسلیمی سے غائبانہ تعارف ہوا۔ ان کی شخصیت کا ذہن میں جو خاکہ مرتسم ہوا وہ کچھ اس طرح تھا۔ "عمر رسیدہ صاحب ریش بزرگ، ایک ٹوٹی پھوٹی میز پر جلوہ افروز، سامنے ایک طرف بہت سے نئے اور پرانے قلم دوسری طرف بکھرے ہوئے اوراق کہیں سے لکھے ہوئے، کہیں سے مٹے ہوئے، ماحول سے بے نیاز، مسودوں میں گم۔"

مرتضیٰ ساحل تسلیمی صاحب ناراض نہ ہوں ان کی یہ تصویر میں نے نہیں بلکہ ان کی تخلیقات نے میرے ذہن میں نقش کی تھی۔ میں جب ان کی تخلیقات پڑھتا تو ان کی بارعب و باتمکنت شخصیت کا یہی خاکہ میرے ذہن کو اپنے حصار میں لے لیتا۔

۱۹۷۰ء میں محترم وصی اقبال صاحب کی دعوت پر پہلی بار رام پور آیا تو یہ کیسے ہو سکتا تھا کہ مرتضیٰ ساحل تسلیمی سے شرفِ تعارف حاصل نہ کرتا۔ جن حضرات سے ملاقات کا پروگرام بنایا

www.taemeernews.com

ان میں مرتضیٰ ساحل تسلیمی صاحب سرفہرست تھے۔ میں محترم وصی اقبال صاحب کے ہمراہ ادارہ الحسنات پہنچا۔ مولانا عبدالحئی صاحب سے ملاقات کے بعد ہم لوگ دفتر الحسنات کی جانب بڑھے۔ میرے ذہن میں جناب مرتضیٰ ساحل صاحب کی وہی تصویر بار بار اُبھر رہی تھی۔ مولانا عبدالحئی صاحب کی ملاقات سے میری ذہنی تصویر کی تائید بھی ہو رہی تھی اور میں سوچ رہا تھا کہ اب ہم مولانا عبدالحئی صاحب جیسی دوسری بزرگ اور معمر شخصیت سے شرفِ ملاقات حاصل کریں گے۔

دفتر الحسنات میں داخل ہوئے تو مجھے قدرے مایوسی ہوئی۔ میرے ذہن کے تراشیدہ مرتضیٰ ساحل تسلیمی صاحب وہاں موجود نہ تھے۔ میں بہت تیزی سے سوچ رہا تھا کہ شاید آج ساحل صاحب چھٹی پر ہیں۔ اب ان سے ملاقات کس طرح ہو سکے گی؟ مجھے آج ہی واپس جانا ہے ان سے ملاقات کے بغیر مجھے اپنا سفر ادھورا محسوس ہوگا۔

میرا دماغ برق رفتاری سے سوچ رہا تھا کہ وصی اقبال صاحب کا زوردار سلام سنتے ہی ایک نوجوان بڑے تپاک سے خیر مقدم کے لئے آگے بڑھا۔ وصی اقبال صاحب نے میرا تعارف کرانے کے بعد اس نوجوان کا تعارف کرایا۔ آپ ہیں مرتضیٰ ساحل تسلیمی صاحب! میں مبہوت سا کھڑا رہ گیا مجھے اپنے کانوں پر دھوکے کا احساس ہوا۔ معاً ذہن نے سوچا غالباً وصی اقبال صاحب مذاق کر رہے ہیں۔ وصی اقبال صاحب دل لگی بھی تو کرتے ہیں اور بسا اوقات خوب لطف لیتے ہیں مگر یہ تو کوئی دل لگی کا موقع نہیں۔ یہ سچ ہے کہ وصی اقبال صاحب دل لگی کرتے ہیں مگر سنجیدگی کے موقع پر بہت زیادہ سنجیدہ بھی رہتے ہیں۔ میں خیالات کے تانے بانے میں مصروف تھا کہ مرتضیٰ ساحل صاحب بولے "بیٹھئے سراج صاحب، کیا سوچ رہے ہیں؟" میں تو بیٹھ گیا مگر میرے خیالات کا سلسلہ نہ بیٹھا بلکہ ذہن اور زیادہ تیزی سے سوچنے لگا ——

یہ ہیں مرتضیٰ ساحل صاحب، نوجوان صاحبِ قلم، اپنے طرز کے نثر نگار، قادر الکلام شاعر، ایک طرف یہ نوعمری دوسری طرف قلم کی پختگی، تحریروں کے بین السطور بلند مقصدیت، اشعار کی پاکیزگی، زبان کی سلاست و روانی، جملوں کی نشست و برخاست، اسلوب بیان کی چاشنی، تخلیقات کی بھرمار۔

"لیجئے چائے لیجئے" ساحل صاحب نے چائے کا کپ میری طرف بڑھاتے ہوئے کہا

www.taemeernews.com

چائے کے حرعہائے گرم نے ذہن کو تخیلاتی دنیا سے آزاد کیا اور ساحل صاحب کے خلوص و سوزِ دروں نے باہمی گفتگو اور تبادلۂ خیال کا دلچسپ آغاز کیا۔ یہ میری ساحل صاحب سے پہلی ملاقات تھی بہت مختصر مگر بہت دلچسپ، بہت قیمتی اور بہت خوبصورت، میں ساحل صاحب کا سراپا ذہن میں سمائے ان سے رخصت ہوا۔

- نورانی گندمی چہرہ، نہ بالکل گول نہ بالکل چپٹا، قدرے متوازن گولائی لئے ہوئے۔
- قد نہ زیادہ پست بلکہ میانہ تواضع و انکساری کا آئینہ دار۔
- پیشانی قدرے چوڑی، ذہانت و محنت کی غماض، نورِ ادب سے چمکتی ہوئی۔
- بال نہ تنے ہوئے نہ خم دار قاعدگی و آراستگی لئے ہوئے۔
- دانت نہ چوڑے نہ چھوٹے نہ باہر کو نکلے ہوئے نہ اندر کو دھنسے ہوئے بلکہ سفید جیسے موتیوں کی لڑی۔
- اندازِ گفتگو بہت پیارا اور مخلصانہ، آواز نہ بھدی نہ باریک بلکہ درمیانی اور شیرینی لئے ہوئے، نہ تلخی میں گھٹی ہوئی نہ قہقہوں سے پھٹی ہوئی۔
- لب و لہجہ سنجیدہ و متین، الفاظ معیاری و نفیس، برمحل ظرافت کی شوخی تبسم و مزاح

ساحل صاحب کا یہ سراپا لئے میں وطن واپس آیا۔ ان سے مختصر سی ملاقات نے دل پر ایک گہرا اثر چھوڑا۔ کتنی دلکش و عظیم ہے ساحل صاحب کی شخصیت، کاش ان سے بار بار ملاقات ہوا ور ہر ملاقات طویل سے طویل تر۔ یہ تمنا ابھی حسرت نہ بن پائی تھی کہ مشیتِ ایزدی نے رام پور منتقلی کا فیصلہ کر دیا۔ مرکزی درسگاہ اسلامی میں اعلیٰ درجات کھلے تو عربی معلم کی حیثیت سے مجھے محترم محمد جاوید اقبال صاحب نے رام پور بلا لیا۔ پھر کیا تھا ساحل صاحب سے ملاقاتوں کا سلسلہ شروع ہوا جو دن بدن بڑھتا گیا۔ ایسا بہت کم ہوتا ہے کہ انسان کسی شاعر و ادیب سے جتنا قریب ہو وہ اتنا ہی اس کا گرویدہ ہوتا جائے مگر ساحل صاحب ان خوش قسمت انسانوں میں سے ہیں کہ آدمی ان سے جس قدر قریب ہوتا ہے ان کی شخصیت سے اتنا ہی زیادہ مسحور ہوتا جاتا ہے ساحل صاحب میں وہ کشش ہے کہ ایک بار مل کر ان سے بار بار ملنے کو جی چاہتا ہے وہ صرف ایک ادیب و شاعر ہی نہیں بلکہ حسن اخلاق کا پیکر،

www.taemeernews.com

خلوص و ہمدردی کی عملی تفسیر، شرافت و عظمت کا گلدستہ اور محبت و بھائی چارگی کی زندہ مثال ہیں دو سال کے قلیل عرصہ میں ہمارے تعلقات نے اس قدر گہرائی و گیرائی حاصل کرلی کہ اگر ملاقات کو ذرا وقفہ ہو جائے تو زندگی میں کسی چیز کی کمی محسوس ہونے لگتی ہے اور اس میں ان کے خلوص و جذبِ دروں کو بڑا دخل ہے۔ میں جب کبھی حالات کے دباؤ سے ذہنی انتشار کا شکار ہوتا ہوں تو ساحل صاحب سے ملاقات کرنے چلا جاتا ہوں۔ ان کی بزم کی رعنائیاں لطف و مزاح کی گلکاریاں، مخلصانہ مشورے اور کرم فرمائیاں ذہن کے انتشار کو تحلیل کر دیتی ہیں ؎

بہت لگتا ہے صحبت میں جی ان کی
وہ اپنی ذات سے اک انجمن ہیں

مرتضیٰ ساحل تسلیمی صاحب بڑی جرأت و ہمت اور حوصلہ و اُمنگ کے آدمی ہیں۔ وہ رسالوں کی ترتیب و تزئین کے لئے کس قدر محنت کرتے ہیں یہ بات صرف ان کے قریبی احباب ہی جانتے ہیں ایسا بھی ہوتا ہے کہ اوراق میں اس قدر گم ہو جاتے ہیں کہ انھیں اپنی بھی فکر نہیں رہتی، نہ یہ خیال رہتا ہے کہ کب کھانا کھایا اور کب پانی پیا ہے۔ صبح کو کرسی پر بیٹھے ہیں تو آدھی آدھی رات تک بیٹھے رہتے اور مسلسل کام کرتے رہتے ہیں بس ضروریات یا نماز کے لئے اٹھتے ہیں۔

مسلسل محنت انسان کی طبیعت میں روکھا پن پیدا کر دیتی ہے مگر یہ تضاد مرتضیٰ ساحل تسلیمی صاحب کے یہاں بدرجۂ اتم موجود ہے کہ وہ جتنے محنتی ہیں اتنے ہی زندہ دل اور شگفتہ مزاج ہیں اور ان کے بارے میں یہ فیصلہ کرنا بڑا مشکل ہے کہ وہ محنتی زیادہ ہیں یا زندہ دل زیادہ ہیں۔ آپ ان سے ایسے وقت جب وہ بہت مصروف ہوں، ان پر کاموں کا بوجھ سوار ہو، ملنے جائیں اس وقت بھی آپ ان کو دل گرفتہ نہیں پائیں گے۔ ان کی طبیعت میں بڑی زندہ دلی ہے کبھی کبھی تو ایسا محسوس ہوتا ہے کہ وہ اپنے لئے نہیں بلکہ دوسروں کے لئے اپنے کو خوش رکھتے ہیں وہ اگر یہ محسوس کرلیں کہ آپ کچھ دل گرفتہ ہیں تو آپ سے ایسی ایسی باتیں کریں گے کہ آپ مسکرائے بغیر نہ رہ سکیں گے بلکہ آپ کی تلخیاں خود آپ کے قہقہوں میں تحلیل کر کے رکھ دیں

www.taemeernews.com

گے۔ وہ دوستوں کا غم اس طرح بانٹتے ہیں کہ وہ غم دوستوں کا نہیں بلکہ خود ان کا ہے۔ وہ دوستوں کی خوشی میں بھی اس طرح شریک ہوتے ہیں کہ گویا ان کے یہاں کوئی تقریبِ مسرت منائی جارہی ہے۔ یہ بتانا مشکل ہے کہ گہرے مطالعہ اور خلوص نے ان کی طبیعت کو یہ رنگ دیا ہے یا ان کا خلوص اور گہرا مطالعہ ان کی طبیعت کے رنگ کا نتیجہ ہے۔

آپ ان سے کسی بھی موضوع پر گفتگو کیجیے، ان کی شگفتہ مزاجی آپ کو متاثر کیے بغیر نہ رہ سکے گی۔ آپ کسی نازک یا جذباتی مسئلہ پر گفتگو کر کے ان کو مشتعل کرنا چاہیں تو آپ کو ناکامی کا منھ دیکھنا پڑے گا۔ ان کی گفتگو شاعری، نثر اور خطوط سب میں لطافتِ طبیعت اور سوزِ دروں کی دلآویز کیفیت ملتی ہے۔ ماہنامہ نور کے قارئین ہر طرح کے خطوط لکھتے ہیں بعض خطوط بہت حوصلہ افزا ہوتے ہیں اور بعض خطوط کا انداز بڑا تیکھا ہوتا ہے مگر مرتضیٰ ساحل تسلیمی صاحب جب، آپ کا خط ملا، کے تحت ان خطوط کا جواب دیتے ہیں تو شکایت کرنے والا بھی جواب پڑھ کر ہنسے بغیر نہ رہتا ہوگا مثلاً ایک بار یاسمین بانو (احمد آباد) نے ایک خط میں لکھا:

"ساحل بھائی! آپ کا خط ملا، بتول میرا پسندیدہ رسالہ ہے اس لیے اس کی خریداری روکنے کا سوال ہی نہیں اٹھتا، میں حقیقت میں آپ سے ناراض تھی کہ آپ نے میرے مضامین کیوں نہیں شائع کیے، مگر آپ کا خط پڑھ کر اندازہ ہوا کہ میں نے آپ کے خط سے غلط نتیجہ اخذ کیا تھا۔"

ساحل صاحب نے جواب میں لکھا:

"عزیز بہن! خدا کا شکر ہے آپ کی شکایت دور ہوگئی، غصہ ختم ہوگیا۔ جہاں تک غلط نتیجہ اخذ کرنے کی بات ہے وہ تو کوئی بھی کرسکتا ہے کسی کے سلسلہ میں کوئی گمان کرنے سے پہلے ٹھنڈے دل سے سوچ لینا چاہیے ورنہ ایسے ہی نتیجے اخذ ہوتے ہیں جیسا آپ نے کیا اور ان سائنس داں نے بھی۔

"ایک سائنس داں نے تجربہ کرنے کی غرض سے ایک مینڈک پکڑ لیا، اسے میز پر رکھا اور زور سے تالی بجائی، مینڈک زور سے اچھلا۔ سائنس داں نے مینڈک کی ایک ٹانگ کاٹ دی، دوسری مرتبہ تالی بجائی تو مینڈک قدرے کم اچھلا۔ سائنس داں نے دیکھا تو

www.taemeernews.com

دوسری ٹانگ بھی کاٹ دی۔ پھر تالی بجائی تو وہ بے حس وحرکت پڑا رہا، سائنس داں نے نتیجہ اخذ کیا کہ اگر مینڈک کی دونوں ٹانگیں کاٹ دی جائیں تو وہ بہرا ہو جاتا ہے۔ (نور جنوری ۱۹۸۶ء)

مرتضیٰ ساحل صاحب کا یہ جواب پڑھ کر کون مسکرائے بغیر رہ سکتا ہے۔ ایک اصولی بات مگر لطافت و مزاح کی کس قدر چاشنی لئے ہوئے ہے۔

ساحل صاحب کے یہاں عبارتوں میں ظرافت و چاشنی ہوتی ہے اور سادگی و سہل نگاری بھی۔ آپ کا ایک بڑا کارنامہ یہ ہے کہ آپ نے اخلاقی قدروں کے پیش نظر بچوں کو آسان زبان و بیان میں بہت مواد فراہم کیا ہے۔ بہت سی کہانیاں اور نظمیں تخلیق کر کے آپ نے بچوں کے ادب میں قابل قدر اضافہ کیا ہے۔ آپ بچوں کے لئے ایسی زبان استعمال کرتے ہیں جو ان کی عمر اور صلاحیت کے اعتبار سے نہایت موزوں اور آسان ہوتی ہے۔ بچوں کی نفسیات اور دلچسپی کا بھرپور خیال رکھتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ بچے اور طلبا آپ کی تخلیقات کو بہت شوق اور رغبت سے پڑھتے ہیں۔ اگر چہ آپ سادہ و سلیس اور عام فہم زبان کے استعمال کے لئے حلقۂ ادب اردو میں معروف ہیں مگر جدید استعارات و تشبیہات استعمال کر کے اردو ادب کو مالا مال کرنے کی کوشش بھی کرتے ہیں۔ مولانا عبدالحیؒ کے سانحۂ ارتحال پر اپنے خصوصی مضمون کا آغاز اس طرح کرتے ہیں۔

"آہ وہ لمحہ کہ جب دل کے ہیروشیما پر الفاظ کا ایٹم بم گرا!
آنے والے نے کہا "ابا جان گزر گئے۔"

"کیا ــ ؟"

اور وہ آنکھوں میں آنسوؤں کے موتی سجائے سر جھکا کر سراپا سوگوار ہو گیا ....

دیکھا گیا ہے کہ علمی و ادبی کاموں میں مصروف شخصیتیں زندگی کی دوسری سرگرمیوں سے کٹ کر رہ جاتی ہیں، ان کا کام صرف پڑھنا اور لکھنا رہ جاتا ہے ملکی و ملی مسائل سے وہ بہت کم تعرض کرتے ہیں مگر ساحل صاحب کی یہ خوبی بہت نمایاں ہے کہ وہ ملکی و ملی مسائل پر نہ صرف گہری نظر رکھتے ہیں بلکہ ان کے حل کے لئے سرگرم عمل بھی رہتے ہیں۔ وہ ملکی و ملی مسائل کے سلسلے میں اپنی فراست اور اندازِ فکر پر پورا اعتماد کرتے ہیں۔ ان کی رائے میں

www.taemeernews.com

تذبذب، پائے ثبات میں تزلزل اور مزاج میں تلون برائے نام بھی نہیں ملتا یہی وجہ ہے کہ بعض احباب کو ان سے غلو و انتہا پسندی کی شکایت ہونے لگتی ہے۔

مختصر یہ کہ مرتضیٰ ساحل تسلیمی صاحب دور جدید کے اردو ادب کے معماروں میں ایک ممتاز مقام رکھتے ہیں آج نہیں تو کل ان کی عظمت کے افسانے ضرور لکھے جائیں گے۔ وہ ایک ادیب ہونے کے ساتھ ساتھ ایک عظیم انسان بھی ہیں جو اخلاقی قدروں کا فروغ اپنا ادبی فریضہ سمجھتے ہیں اس لئے ان کے اسلوب کو اخلاقی قدروں سے اور اخلاقی قدروں کو ان کے اسلوب سے جدا نہیں کیا جا سکتا۔ بڑی ناقدری ہوگی اگر میں کھلے دل سے یہ اعتراف نہ کروں کہ میری تخلیقی صلاحیتوں کو جلا بخشنے اور ادبی حلقہ میں مجھے متعارف کرانے میں مرتضیٰ ساحل صاحب کا ایک بڑا حصہ ہے۔ وہ میرے ایک بے تکلف دوست، مخلص مشیر و ہمدرد اور بے لوث مربی ہیں۔

www.taemeernews.com

فاروق علی خاں

مرتضیٰ ساحل۔ ایک تقابلی مطالعہ

اگرچہ بظاہر یہ کسی طبّاع انسان کے منہ سے نکلی ہوئی ایک شاعرانہ بات معلوم ہوتی ہے میں نے نظریات کی دنیا میں ہمیشہ اسے انسانی دماغ کے ایک بڑے انقلاب سے تعبیر کیا ہے۔ میرے خیال میں اس کہاوت سے بچے کے متعلق مغرب کے جدید نقطۂ نظر کا واضح طور پر اظہار ہوتا ہے۔ مشرقی ممالک میں ایک زمانے تک بچے کو کوئی اہمیت نہ تھی۔ بچے کے متعلق ہمارے نقطۂ نظر کا اظہار ایک کہاوت ہی کے ذریعہ ہوتا ہے۔ وہ کہاوت ہے "ہونہار بروا کے چکنے چکنے پات۔" اس کہاوت کی صداقت پر ایمان رکھنے والوں کے متعلق آسانی سے کہا جا سکتا ہے کہ وہ بچوں کے معاملے میں صرف اُن کی فطری صلاحیتوں کے قائل تھے اور یہ سمجھتے تھے کہ جو بچہ قدرت کی طرف سے غیر معمولی صلاحیتیں لے کر پیدا ہوتا ہے وہ بچپن ہی سے دوسرے بچوں کے مقابلے میں زیادہ ذہین اور ہوشیار ہوتا ہے اور اُس کا بچپن ہی اُس کی آئندہ زندگی کا آئینہ دار ہوتا ہے چنانچہ اکثر مشرقی والدین نے اپنی اولاد میں صرف اُنہی بچوں پر زیادہ توجہ دی ہے جو اپنی ذہانت کی وجہ سے اُن کے نزدیک اس کے زیادہ مستحق تھے۔ یہ ایک ایسا روگ تھا جس نے ہماری نسلوں میں صدیوں تک اپنے زہریلے اثرات پھیلائے ہیں بخلاف اس کے مغربی ملکوں کے اس احساس میں جو انقلاب پیدا ہوا ہے وہ زیادہ حقیقت پر مبنی ہے۔ جہاں تک غور کر کے انسان اس نتیجے پر پہنچا ہے کہ فطرت فیاض ہے بخیل نہیں۔ قدرت اپنی نعمتیں سب میں برابر تقسیم کرتی ہے اور جو فرق ہم کو نظر آتا ہے وہ بہت حد تک خود ہمارا پیدا کیا ہوا ہے۔ مغربی قوموں کے احساس میں جو انقلاب رُونما ہوا اس میں حقیقت کا یہ پہلو غالب ہے کہ عام

www.taemeernews.com

حالات میں بچوں کی سوجھ بوجھ تقریباً ایک سی ہوتی ہے۔ صحیح تعلیم سے ہر بچے کی صلاحیتوں کو چمکایا جاسکتا ہے۔ چونکہ یہ نظریہ بہت سے نفسیاتی تجربوں کا نچوڑ تھا۔ اس لیے ترقی یافتہ اقوام بھی اس کی صداقت کی قائل ہوگئیں اور بچوں کی تعلیم و تربیت کے متعلق غور و فکر کرنے لگیں شاید اسی کا نتیجہ ہے کہ آپ نے آج مجھ ایسے کم فہم شخص کو اپنی ادبی سرگرمیوں میں اتنا وقت تو دیا کہ میں اس میں بساط بھر آپ سے بچوں کے ادب کی بات کروں ورنہ شاید اس اہم سوال پر اربابِ ذوق کے اس اوّل حلقے نے شاید اس سے اہم سوال پر بہت کم غور کیا ہے کہ ہم اپنی اس ادب نوازی سے اپنے بچوں کو کیا حصہ دے رہے ہیں۔

میں اس وقت آپ سے اُردو ادب میں صرف بچوں کی شاعری کے متعلق کچھ عرض کروں گا۔!

بچوں کے لیے شاید باقاعدہ طور پر سب سے پہلے مولوی اسماعیل میرٹھی نے لکھنا شروع کیا، اُن کی نظمیں بچوں میں سب سے زیادہ مقبول ہوئیں۔ اگر آج ہمارے بچوں کے ادب میں اسماعیل کی نظمیں بھی نہ ہوتیں تو ہمارے مختصر سے سرمائے میں اور بھی بہت بڑی کمی ہوتی لیکن بچوں کے اس پہلے شاعر اسمٰعیل کا وجود بھی محض اتفاقات کا مرہونِ منت ہے کیوں کہ اگر انھیں بچوں کا نصاب مرتب کرنے کے لیے نہ کہا جاتا تو شاید اپنی شاعری چھوڑ کر وہ بھی بچوں کے لیے الگ نظمیں نہ لکھ پاتے۔ اسماعیل کے بعد حالی اور آزاد کا نمبر ہے۔ حالی کی شعریت ادیب نقاد اور قومی شاعر کی حیثیت سے زیادہ ہے لیکن انہوں نے بچوں کے لیے بھی بعض اعلیٰ درجے کی نظمیں لکھی ہیں۔ مولانا کو بچوں کے لیے لکھنے کا بہت اچھا سلیقہ تھا۔

مولانا محمد حسین آزاد نے بھی ایسے موضوعات پر نظمیں کہیں ہیں جن سے بچے دلچسپی لیتے ہیں مثلاً زمستان "شبِ سرما" اور "شبِ ابر" وغیرہ جیسا کہ ان عنوانات کے مشکل الفاظ سے ظاہر ہے۔ ان کی اکثر نظمیں بچوں کی سمجھ سے بالاتر ہو کر رہ گئی ہیں۔ تقریباً اسی زمانے میں مولوی نذیر احمد صاحب نے بعض ایسی نظمیں کہیں جنھیں بچوں کے ادب میں شامل کیا جاسکتا ہے

www.taemeernews.com

انھوں نے اپنے صاحبزادے مولانا بشیر احمد کے نام جو اس وقت زیرِ تعلیم تھے بہت سے خطوط لکھے تھے۔ ان خطوط میں پند و نصیحت کے علاوہ درس و تدریس کا انداز بھی ہے۔ جو بات بچے کو زبانی یاد رکھنی چاہیے ان کے خیال میں آتی تو وہ اسے فوراً اشعار میں ڈھال دیا کرتے تھے۔ ایک لمبے دور کے بعد بچوں کے لیے بعض شاعروں نے مشہور انگریزی نظموں سے ترجمے بھی کیے ہیں ایسے شعرا میں علامہ اقبالؒ کا نام خاص طور پر لیا جا سکتا ہے ہاں علامہ اقبالؒ نے بچوں کے لیے چند طبعزاد نظمیں بھی کہی ہیں مگر اُن کی نظموں کا مرکزی خیال اکثر بچوں کی سمجھ سے بالاتر ہوتا ہے یہ نظمیں ایسی ہیں جنھیں پڑھ کر ہم تو یہ چاہتے ہیں کہ ہمارے بچے انہیں پڑھیں مگر بچوں کو شاید اُن سے دلچسپی نہ ہو سکی تاہم علامہ اقبالؒ کے ایسے کلام میں بچے کی دُعا کو غیر معمولی مقبولیت حاصل ہے۔

متذکرہ بالا شاعروں نے بچوں کے لیے جو کچھ لکھا ہے اُس کے متعلق آپ یوں سمجھ لیجیے کہ انہوں نے اپنی شاعری میں سے بچوں کو اپنی شاعری کا "رونگا" دیا ہے بالکل اسی طرح جس طرح بچہ ایک دوکاندار سے گھر کا سودا خریدتا ہے تو جاتی دفعہ جب وہ دوکاندار سے "رونگا" مانگتا ہے تو وہ اُسے کوئی چٹکی بھر چیز تھما کر اپنے کام میں مصروف ہو جاتا ہے۔ اس زمرے میں اور بھی بہت سے شعرا آتے ہیں جس کی تفصیل کا موقع نہیں ہے اس دلیل میں یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ ان شاعروں نے بچوں کے لیے جو نظمیں لکھی ہیں اُن کے لیے آپ کو بچوں کے لیے کوئی الگ کتاب نہیں ملے گی مثلاً مولوی اسماعیل میرٹھی کی کوئی نظم اگر آپ بچے کو پڑھوانا چاہتے ہیں تو "کلیاتِ اسماعیلؒ" اُسے دے دیجیے۔ حالی کی کوئی نظم پڑھوانا چاہیں تو "دیوانِ حالی" اقبالؒ کی کوئی نظم چاہیں تو "بانگِ درا"۔ گویا ہم سے بچوں کے لیے ابھی تک اتنا کام بھی نہ ہو سکا کہ ان شاعروں کے کلام سے بچوں کی نظمیں ہی الگ کر دیں اور حفیظ "شاہنامے" کے مصنف کی حیثیت سے جانے جاتے ہیں انہوں نے بچوں کے لیے خاصا لکھا ہے، اور بچوں کی نفسیات کو سامنے رکھ کر لکھا ہے۔

www.taemeernews.com

اب نمبر آتا ہے مرتضیٰ ساحل تسلیمی کا جو بچوں کا ہی ادیب ہے اور صرف بچوں کے ہی لیے لکھتا ہے، اِدھر اُدھر کی اُکھاڑ پچھاڑ سے گریز کرتا ہے، مرتضیٰ جو بچوں کے لیے وقف ہے اور اُس نے اپنی شناخت بچوں کے شاعر و ادیب کی حیثیت سے کرائی ہے اُس کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ وہ بچوں کی دلچسپی کی چیزوں کو اپنی نظر میں رکھتا ہے، اُنہی کی طرح محسوس کرتا اور اُنہی کے الفاظ میں ادا کرتا ہے۔ موضوعات کے تنوع کے علاوہ اُس نے بچوں کے انتخاب میں بھی ترنم اور بچوں ہی کی نغمگی کا خیال رکھا ہے۔ اِسکی وجہ یہ ہے کہ ساحل کی اپنی طبیعت میں نغمہ و ترنم کی ایک رَچی ہوئی کیفیت ہے جو کبھی کبھی بچوں کی شکل اختیار کر لیتی ہے۔ بچوں کے لیے اُس کی بعض نظمیں ایسی ہیں جن کا شمار آپ ہلکے پھلکے گیتوں میں کر سکتے ہیں۔ اکثر بچے اُنہیں پڑھنے سے زیادہ گنگناتے ہوئے دیکھے گئے ہیں۔

مرتضیٰ ساحل کی نظمیں دوسرے شعراء کی نظموں کے مقابلے میں بچے آسانی سے گا لیتے ہیں۔

مرتضیٰ ساحل کی شاعری کی بڑی خوبی یہ ہے کہ وہ اپنی نظموں وغیرہ بچوں کو یہ احساس نہیں ہونے دیتا کہ وہ اُن کا اُستاد یا بزرگ ہے اور اُنہیں کوئی سبق پڑھانا یا سکھانا چاہتا ہے بلکہ ان نظموں میں بچوں کو خود اتنی دلکشی نظر آتی ہے کہ وہ خود شوق سے اُنہیں پڑھنے پر مجبور ہوتے ہیں ـــــ بچوں کے لیے ساحل کے کلام کی ایک اور خوبی یہ ہے کہ اُس نے مختلف عُمر کے بچوں کے لیے مختلف نظمیں لکھی ہیں۔ بہت چھوٹے بچوں کو سب سے زیادہ جانوروں سے دلچسپی ہوتی ہے اور گھر میں بچوں کے سب سے زیادہ محبوب جانور کُتّا، بلّی، کبوتر، طوطا وغیرہ ہوتے ہیں۔ آپ میں سے بھی کئی حضرات جب بچے ہوں گے تو گھر کے اِن جانوروں سے کھیلتے ہوں گے۔ مرتضیٰ ساحل نے اِنہی جانوروں پر چھوٹے چھوٹے بچوں کے لیے بہت پیاری پیاری نظمیں کہی ہیں جن کی سب سے بڑی خوبی اُن کی روانی ہے۔ چھوٹے بچوں کی زبان پر الفاظ جلد نہیں چڑھتے مگر ساحل نے نظمیں ہی ایسی کہی ہیں کہ اُن کے

www.taemeernews.com

الفاظ تو تلی زبان پر آسانی سے چڑھتے چلے جائیں۔ مرتضیٰ ساحل نے مشکل الفاظ سے بڑی حد تک گریز کیا ہے اور عام فہم آسان اور چھوٹی بحریں نظمیں کہی ہیں جو اُسے دوسرے شعراء کے مقابلے ممتاز کرتی ہیں۔ مرتضیٰ ساحل کی نظمیں اگر آپ پڑھیں تو محسوس کریں گے کہ کبھی وہ خود بالکل بچہ بن جاتا ہے ـــــ بچوں کے ادب میں آپ کے مرتضیٰ ساحل تسلیمی کے یہاں سے زیادہ نظمیں شاید ہی کسی دوسری جگہ ملیں۔ ساحل بچوں سے ہی کھیلتا ہے اور لفظوں سے بھی، کبھی کبھی آپ کو تعجب ہوگا کہ اتنا بڑا آدمی ہو کر ساحل کس آسانی سے بڑی عُمر سے نکل کر خوبصورت بچہ بن جاتا ہے اور پھر کتنے پیارے انداز میں دل کو لبھا دینے والی باتیں کرنے لگتا ہے۔

غرض یہ کہ ساحل کا انداز ہی اپنا ہے۔ یہ بہت بُری بات ہے کہ ہم بچوں کو وہ اہمیت نہیں دیتے جس کے وہ مستحق ہیں حالانکہ اہمیت بچے کے لیے اتنی ضروری خوراک ہے جتنی کوئی اور غذا۔ ساحل بچوں کو اپنی نظموں میں یہ احساس دلاتا ہے کہ وہ اپنی جگہ بہت اہم ہیں چنانچہ بچوں کو بہت سی باتیں وہ بچوں ہی کی زبان میں سُناتا ہے۔ سُننے والا بچہ یہ دیکھتا ہے کہ بات سُنانے والا بھی بچہ ہے تو اُسے خود اپنے ہم عُمر کا سا بننے کا شوق پیدا ہوتا ہے اور یہ خیال اسے بہت کچھ سیکھنے پر اُبھارتا ہے۔ ساحل نے مختلف عُمر کے بچوں کے لیے مختلف موضوعات چُنے ہیں۔ ادب کے موضوع سے لے کر ساحل نے اس عُمر کے بچوں تک کے لیے شاعری کی ہے۔ جب ہم انہیں کثیت شعاری، تن دُرستی اور علم کے فائدے بتا سکتے ہیں۔ اپنی سب نظموں میں ساحل نے بچوں کے لیے تفریح کے ذریعہ نظم کی اچھی سے اچھی راہیں اختیار کی ہیں۔ اس سلسلے میں ہمیں فخر اس شاعر پر ہے۔ اُردو ادب اُسے جتنا بھی خراجِ تحسین ادا کرے کم ہے۔ اگر اس نے بھی بچوں کے لیے کچھ نہ کہا ہوتا تو اس دور میں اُردو کی گود بچوں کی محبت سے خالی رہ جاتی۔

www.taemeernews.com

ھوش نعمانی

ساحل تا ساحل

۱۹۷۵ء میں مَیں نالہ پار سے منتقل ہو کر شتر خانہ کہنہ کے ایک مکان میں رہائش پذیر ہوا. جو مرتضیٰ ساحل صاحب کے مکان سے بہت قریب تھا اُن سے دور کے سہی مگر خاندانی روابط تو تھے ہی, قلمی رشتے نیز اس قرب نے ہمارے تعلق کو مزید اُستواری بخشی. کبھی صبح کبھی شام ساحل صاحب سے ملاقاتوں کا سلسلہ مستقل سا ہو گیا. ادارہ الحسنات سے تو وہ اُس زمانے میں بھی منسلک تھے ظاہر ہے وہاں وہ قلم کی کارگزاریاں ان کی خدمات کا ذریعہ تھیں انہیں مصروفیات میں رہ کر وہ اکثر غزل کے شعر کہتے رہے. وہ اپنے نئے اشعار کبھی میری فرمائش پر اور کبھی خود ہی بڑے شوق سے سناتے ہیں وہ تمام اشعار بڑے انہماک سے سنتا اور سوچتا کہ غزل میں بھی اس نوجوان کے یہاں وہ ضرور ہے جو دوسروں کے یہاں نہیں ہے یعنی درس، اصلاح، سماجی اور معاشرتی برائیوں کی نشاندہی وہ بھی عام روش سے بالکل ہٹ کر، جس میں تلخی کا نام نہیں، انداز بیان نہایت دلکش اور مانوسِ سماعت. میں اکثر اُن کے مزاجِ گفتگو اور تخلیقی صلاحیتوں کے درمیان اپنی ہی سوچوں میں الجھ جاتا. مستقبل میں ان کا قلم کیا ڈگر اختیار کرے گا یا کون سی نہج اپنائے گا، اس کا فیصلہ کرنے میں سدا ناصر رہتا مگر ہاں ایک بات ہمیشہ حتمی طور پر میرا ذہن فیصلے کی صورت میں صادر کر دیتا کہ مرتضیٰ ساحل اپنے علم و قلم اور صلاحیتوں کا استعمال شعوری و غیر شعوری طور پر مگر عین فطری انداز میں خوشگوار تعمیری ادب پر صرف کریں گے. ساحل کا مزاج بچپن سے ہی ناصحانہ رہا ہے مگر اس خوبی کے ساتھ کہ شیریں الفاظ دل کو چھو لینے والا لہجہ اور دھیمی ڈھلائی پاکیزہ سہل زبان. چنانچہ یہی ہوا کہ وہ خود بخود ملت و وطن کے نونہالوں کے لئے اپنے

www.taemeernews.com

قلم اپنی شاعرانہ صلاحیتوں کو وقف کر بیٹھے اور یہ کام بالکل ٹھیک وقت پر ہوا۔ فی زمانہ بچوں کے ادب کے تخلیق کاروں کی صفوں میں بالکل سناٹا سا محسوس ہوتا ہے۔ ہندوستان بھر میں اُن کے اس جذبے کی پذیرائی ہوئی اور دیکھتے دیکھتے درجنوں کتابوں کے مصنف سینکڑوں نظموں، کہانیوں کے خالق کی صورت میں ملک میں پہچانے جانے لگے۔

مجھے ساحل صاحب کے مداح کرناٹک، آندھرا، اُڑیسہ، بہار کے بعض شہروں میں برابر ملتے رہتے ہیں۔ مہاراشٹر کے اکثر ضلعوں، امراوتی، بھساول، اکولہ وغیرہ میں بھی ان کے قاری بہت ہیں۔ رام پور سے نسبت پاکر وہ مجھ سے ان کی شخصیت کے بارے میں معلومات فراہم کرتے ہیں۔ ملک کے مشرقی حصوں میں بھی اُن کے چاہنے والے مل جاتے ہیں۔ کبھی کبھی میں ساحل صاحب سے اس کا ذکر بھی کر دیتا ہوں جسے سن کر وہ کچھ عجیب سے ہو کر بات کو ٹالنے کی کوشش کرتے ہیں۔ محجوب کا لفظ میں نے عمداً استعمال نہیں کیا ہے۔

اور یہ وقوف انھیں اُن کی ذات سے نہیں صفات سے حاصل ہوا۔ اُن کے یہاں اوقات کی پابندی بڑی اہمیت کی حامل ہے وہ اس لئے کہ وہ پنج وقتہ نمازی ہیں درمیانی لہجے میں تیز گفتگو اور بیچ بیچ میں ہلکا سا قہقہہ جو دو جملوں کے درمیان منقسم کی حیثیت رکھتا ہے تو ان کی شخصیت میں اور چار چاند لگا دیتا ہے۔ نہایت سادہ لباس مگر بڑی شائستگی اور طہارت کے ساتھ "پان کے شوقین مگر مجبور نہیں" طبیعت ناساز ہو تو پرہیز سخت، صحت مند ہوں تو احتیاط، گھریلو زندگی میں کامیاب، گھر میں ہر دلعزیز محلے ٹولے میں بہترین مشیر، حلقہ احباب نہایت محدود مگر انتہائی معیاری اذہان رکھنے والے شخصیات سے دوستی۔ مرتضیٰ ساحل کا یہ کردار ان کی تخلیقات میں نمایاں طور پر واضح ہے۔ مددگار چوہا، بھولو راجا، جلوس، پکنک اور بدلہ کتابوں میں جنگلی جانوروں کو انسانی پیکر میں بدل کر بچوں میں جذبۂ ایثار، خدمت، اخلاص، بھائی چارہ اور یکجہتی کا سبق دینے کی کامیاب کوشش کی ہے۔ ہر جملہ کہانی کی ضرورت کے لئے ہوتے ہوئے بھی اپنے اندر ایک درس رکھتا ہے جو بچے کے ذہن و دل پر خاطر خواہ اثر کرتا ہے۔

www.taemeernews.com

"نقلی سورما، نرم ٹہنی" نامی کتابچوں میں نصیحت آمیز کہانیاں چھوٹے بڑے بچے بچیوں کو زندگی کے تمام نشیب و فراز سے روشناس کرانے میں بے انتہا مددگار ثابت ہوتی ہیں۔ موجودہ زندگی کی اونچ نیچ حال سے مستقبل تک کا سفر طے کرنے کے لئے راہوں کا تعین کرنے میں بھی قاری کے ذہن کو تعمیری اُجالے فراہم کرتی ہیں۔

مرتضیٰ ساحل صاحب بنیادی طور پر نثر نگار یا شاعر ہیں اس کا اندازہ مشکل ہے اس لئے کہ ہم جب اُن کی شاعری پڑھتے ہیں خواہ وہ بچوں کے لئے ہو یا غزل، نظم ہو، انھیں پہلے شاعر ہی تسلیم کر لیتے ہیں مگر جب اُن کے مضامین، افسانے، کہانیوں کا مطالعہ کرتے ہیں تو اپنی رائے بدلنے کو جی چاہتا ہے۔ غرض یہ کہ وہ ادب کے دونوں صیغوں میں اپنے فن کا لوہا منواتے نظر آتے ہیں۔

عزیزی محمد مسلم غازی کے جذبۂ خلوص کو داد دیتا ہوں کہ انھوں نے مرتضیٰ ساحل صاحب پر مختلف آراء کو کتابی شکل دینے کے لئے شب و روز محنت کی۔ خدا انھیں کامیابی عطا فرمائے۔ ہمارے اس نوجوان کی نظرِ انتخاب کس قدر صحیح اور حقدار شخص پر جاکر ٹھہری، اور انھوں نے ساحل صاحب کے علم میں لائے بغیر اس معیاری اور ضروری کام کا آغاز کر دیا۔ جو انشاء اللہ جلد اشاعتی منازل سے گزر کر منظرِ عام پر آئے گا۔ میری دعا ہے کہ ربُّ العزت اس کتاب کو مقبولِ خواص و عام کا درجہ عطا فرمائے اور نونہالانِ وطن کے لئے مشعلِ راہ ثابت ہو۔ آمین۔

www.taemeernews.com

محمد اطہر مسعود خاں

اچھا انسان اچھا ادیب

سفیدی مائل جسامت اور ملاحت سے بھرپور گندمی رنگ، چمکدار، سیاہ ہلکے خم دار بال جیسے جوہڑ کے ٹھہرے ہوئے پانی میں ایک ہلکی موج آکر منجمد ہوگئی ہو۔ چہرہ چودھویں کے چاند کی طرح گول۔ چشمے کے پیچھے سے جھانکتی ہوئی مسکین و معصوم خوبصورت کالی آنکھیں، ناک تھوڑی پتلی ——— خاندانی عظمت اور وقار کی آئینہ دار، بھرے بھرے گال، پتلے لب جن کا اندرونی حصہ پان سے سرخ۔ صحت مند جسم، متناسب قد، ہلکی آواز، انداز بیان شیریں، طرز گفتگو دلنشیں، ہاتھ ملانے کا مخصوص اور گرمجوشی والا انداز، آنکھوں میں نرم مسکراہٹ، ہونٹوں پر گداز تبسم۔ اپنی قوم اور اپنے وطن کے درد میں تڑپتا ہوا نرم و نازک دل۔ وہ ——— جن کو ہر شخص اپنا ہمدرد و رفیق مانتا اور گردانتا ہے جن کے بارے میں جیسا سنا ویسا دیکھا اور جیسا دیکھا ویسا ہی پایا۔ ——— یہ ہیں ساحل بھائی ——— مرتضیٰ ساحل تسلیمی!

بات ۷۴ء کی ہے۔ اس سال ۴ جولائی کو قلعۂ معلیٰ رام پور کے خوبصورت سبزہ زار پر ہم نے ایک میٹنگ کی تھی اور اسی روز میٹنگ کے بعد بزم اُردو کے نام سے ایک دارالمطالعہ اور ایک لائبریری کی داغ بیل ڈالی تھی۔ اس سلسلے میں ہم نے پورے شہر کے ادیبوں، شاعروں اور ادب نواز لوگوں سے ملاقات کی تھی۔ ملاقات کا اہم مقصد لائبریری کے لئے فنڈ اور کتابوں کی فراہمی تھا۔ ہمیں اس میں قدم قدم پر کامیابی ملی تھی اور ہم نے ہزاروں رسائل اور کتابیں جمع کرلی تھیں۔ اسی دوران میں ایک روز میں اپنے عزیز دوستوں پرویز اختر صاحب اور مبارک الحق صاحب کے ساتھ ادارہ الحسنات گیا تھا تاکہ ادارہ الحسنات سے شائع ہونے والے رسائل ہمیں ہر ماہ مل جایا کریں۔ وہیں ساحل بھائی سے ملاقات ہوئی تھی۔ ہم غیر شناسا لوگ پہلی بار اُن سے ملے تھے لیکن انھوں نے ہم سب کی چھوٹی

www.taemeernews.com

سی عمر اور کام کی نوعیت کے لحاظ سے جانفشانی اور محنت کی بہت تعریف کی تھی اور ہر ممکن تعاون دینے کا وعدہ کیا تھا اور بلاشبہ انھوں نے اپنا وعدہ پورا بھی کیا۔ اس ضمن میں عبدالملک سلیم صاحب کا تذکرہ کرنا بھی ضروری ہے کہ انھوں نے توجہ سے ہماری بات سنی اور ادارہ سے شائع ہونے والے کئی پرچے ہماری لائبریری کے نام مستقل جاری کر دیئے۔

ساحل بھائی نے پہلی ملاقات میں ہی یہ تاثر دیا تھا کہ جیسے وہ ہمیں برسوں سے جانتے اور پہچانتے ہوں اور جب ہم وہاں سے لوٹے ہیں تو ان کی میٹھی مسکراہٹ اور گرم محبت سے سرشار ہو چکے تھے جیسے پورے جسم میں معطر معطر سی مدہوشی سرایت کر چکی ہو۔ پھر ـــــ تب سے آج کا دن ہے جب بھی ملو وہی دل کو چھو لینے والی مسکراہٹ، وہی محبت کی شدت، وہی گرم جوشی کا مصافحہ۔ وہی ـــــ! اس دور میں کوئی اپنوں سے بھی ایسے کب ملتا ہے جیسے وہ ہر ایک سے ملتے ہیں ایسے لازوال انداز رکھنے والے انسان کی رفاقت پر، صحبت پر کسے فخر نہ ہوگا۔ سو ہمیں بھی ہے اور کیوں نہ ہو کہ وہ ہر ایک سے اپنے پن سے ہی ملتے ہیں۔

میں نے ساحل بھائی کے روپ میں ایک مجسم آہنی مرد دیکھا ہے۔ اگر سوچا جائے تو واقعی سوچنے کی بات ہے کہ ـــــ کیسا ہے یہ فولادی انسان! جو ہر وقت کام میں مصروف نظر آتا ہے۔ کام... ... کام..... کام .... جب دیکھو کام سے برسرِ پیکار۔ جب ملو کچھ کرنے کی لگن۔ شخصیت نہ ہوئی ایک ادارہ ہو گیا اور اس میں شک بھی کیا ہے۔ پانچ رسائل کی مکمل ذمہ داری۔ دیکھے سے حیرت ہوتی ہے سنے سے تعجب ہوتا ہے۔ گرمی ہو، سردی ہو کہ بارش ہو، ساحل بھائی ادارے کے کام میں مصروف ہیں جیسے اپنے چوڑے چکلے لیکن ناتواں کاندھوں پر پوری قوم کی اصلاح کا بوجھ اٹھائے ہوئے ہوں جیسے اپنے نازک سے دل میں ساری قوم و ملت کا درد و کرب اٹھائے جی رہے ہوں۔ ساحل بھائی کے سمندر کی طرح گہرے پرسکوت چہرے سے کچھ بھی پتہ نہیں چلتا کہ اصلاح کے اس کام میں انھوں نے کتنے زخم اٹھائے ہیں۔ کتنے گھاؤ کھائے ہیں اور اس کا ہمیں اندازہ ان کے اداریے پڑھ کر ہوتا ہے۔ ملت کے درد میں ڈوبے ان کے قلم کی کاٹ سیدھی دل میں اتر جاتی ہے اور دل قاش قاش ہو جاتا ہے۔

ساحل بھائی صرف اتنا ہی نہیں کرتے کہ رسائل ترتیب دیدیئے یا ان کی مکمل ذمہ داری

www.taemeernews.com

سنبھال لی اور باقی اللہ اللہ خیر صلا۔ بلکہ وہ خود بھی افسانے، مضامین اور بچوں کے لئے خوبصورت سبق آموز اصلاحی کہانیاں اور نظمیں لکھتے ہیں۔ اچھا لکھتے ہیں اور خوب لکھتے ہیں بلکہ بہت خوب!

برصغیر کے عظیم ادیب و شاعر حضرات ـــــ انسر میرٹھی، محمد اسمٰعیل میرٹھی، اقبال۔ حالی سراج انور، شفیع الدین نیر۔ محوی صدیقی، تلوک چند محروم۔ محمد حسین حسان، ابوالمجاہد زاہد۔ مائل خیر آبادی وغیرہ صاحبان نے بچوں کے لئے جو کچھ لکھا اور ان میں سے اب بھی جو لوگ لکھ رہے ہیں وہ لاثانی، لافانی بے مثال اور لاجواب ہے۔ اس سلسلے کی ایک اہم کڑی ساحل بھائی بھی ہیں جو ۲۰ء سے بچوں کے لئے مسلسل لکھ رہے ہیں اور بچوں کے لئے اب تک سینکڑوں کہانیاں اور نظمیں لکھ چکے ہیں۔ ان کی کہانیوں کے تقریباً دو درجن مجموعے شائع ہو چکے ہیں اور ـــــ "ابھی تو میں جوان ہوں" کے مصداق امید ہے کہ ساحل بھائی بچوں کے ادب میں مزید قابلِ ذکر اضافہ کریں گے۔ ایک اہم بات جس پر ہم جتنا بھی فخر کریں کم ہے اور جتنی بھی خوشی منائیں تھوڑی ہے وہ یہ کہ ساحل بھائی کی چند نظمیں مہاراشٹر گورنمنٹ نے کورس میں بھی شامل کر دی ہیں۔

دنیا میں ایسے لوگ کم ہی ہوئے ہیں جو دوسروں کی خوشی میں خوش ہوتے ہوں، اور نئے فن کاروں کو انگلی پکڑ کر چلنا سکھاتے ہوں۔ ساحل بھائی کی ایک خاص خوبی یہ بھی ہے کہ وہ کسی بھی قلمکار کی دل شکنی نہیں کرتے۔ ہمیشہ اس کی ہمت بندھاتے ہیں۔ اچھے اچھے مشورے دیتے ہیں۔ سینکڑوں ادیب جن کو انھوں نے انگلی پکڑ کر چلنا سکھایا، آج ادب میں ایک بلند مقام پر کھڑے ہیں اور ساحل بھائی جیسے ان سے پوچھتے ہیں۔ مجھے پہچانتے ہو؟ اور وہ جواب دیتے ہیں کہ اپنے محسن کو بھلا کوئی بھولا بھی کرتا ہے؟

ساحل بھائی ہر وقت ہشاش بشاش اور چاق و چوبند نظر آتے ہیں۔ میں نے ان کو کبھی پژمردہ اور غمگین نہیں دیکھا۔ یہ الگ بات ہے اور جیسا کہ میں اوپر کہہ بھی چکا ہوں وہ اپنی قوم کے درد میں تن ہی من روتے اور چپکوں ہی چپکوں آنسو جذب کرتے ہیں۔

وہ ہر محفل اور نشست کی جان نظر آتے ہیں۔ اپنے چست فقرے، نرم مسکراہٹ اور برجستگی میں جواب نہیں رکھتے۔ یہ ناممکن ہے کہ ساحل بھائی سے کوئی ملے اور پھر ان کو بھول جائے۔ یہ میرا دعویٰ ہے۔ مجھے یاد آ رہا ہے کہ گزشتہ سال ہم نے بیک آل انڈیا کہانی مقابلہ کرایا تھا۔ کہانیوں پر

www.taemeernews.com

فیصلہ ۳۱ جولائی ۸۰ء کو کیا گیا تھا۔ ججوں میں ایس فضیلت صاحب، تبسم نشاط صاحب، عتیق جیلانی سائک صاحب اور ساحل بھائی تھے۔ چھ سات گھنٹے یہ پروگرام چلا تھا۔ ان ہی دنوں ٹیٹا گڑھ (مغربی بنگال) سے برادرم شوکت اسرار خاں بھی آئے ہوئے تھے سو انھوں نے بھی اس پروگرام میں شرکت کی تھی اور ساحل بھائی سے حد درجہ متاثر ہوئے تھے وہ چند روز یہاں رہ کر چلے گئے لیکن ساحل بھائی کی یادیں ان کے تڑپتے خط آج بھی میرے پاس آتے رہتے ہیں۔

ایک ضروری بات میں یہ بھی کہوں گا کہ اتنے اچھے ادیب و شاعر ہوتے ہوئے بھی ساحل بھائی اپنے آپ کو قطب مینار ہرگز نہیں سمجھتے۔ ہماری بزم ـــــ "ہم قلم" کے لئے انھوں نے ہمیشہ ہمیں تعاون دیا۔ اچھے مشورے بھی دیئے، وقت بھی دیا۔ اللہ تعالیٰ ان کو طویل عمر دے اور وہ ادب میں ہمیشہ درخشاں ستارہ کی طرح جگمگاتے رہیں۔ آمین!

---

www.taemeernews.com

عرفان خلیلی

صاف ذہن کے مالک

جناب عبدالحئی صاحب مرحوم مدیر الحسنات رامپور میرے بہت پرانے رفیق تھے۔ اُن سے ملاقات کے لئے ہر ماہ میں ان کے دفتر میں ضرور جایا کرتا تھا۔ ایک بار میں دفتر میں پہنچا تو وہاں ایک نیا چہرہ دکھائی دیا۔ مولانا مرحوم نے تعارف کرایا کہ "یہ مرتضیٰ ساحل صاحب ہیں۔ ادارہ میں اِن کا نیا تقرر ہوا ہے۔ ڈگری کالج میں ابھی تعلیم حاصل کر رہے ہیں۔"

ساحل صاحب بہت خندہ پیشانی سے ملے۔ ان کے چہرے مہرے اور گفتگو سے بعض اخلاقی قدروں کا اظہار ہو رہا تھا۔ یہ واقعہ ایمرجنسی سے پہلے کا ہے۔ ساحل صاحب سے برابر ملاقاتیں جاری رہیں اور ہر ملاقات میں یہ احساس شدید سے شدید تر ہوتا گیا کہ اس نوجوان کے دل میں اُردو کی محبت رچی بسی ہوئی ہے۔ صرف اتنا ہی نہیں بلکہ وہ اُردو کی بقا و ترقی کے لئے اپنے دل میں تڑپ بھی رکھتا ہے۔ حالانکہ اس وقت تک اُن کی کوئی نثری تخلیق منظرِ عام پر نہیں آئی تھی۔

دیکھتے ہی دیکھتے ایمرجنسی لگ گئی۔ مجھے بھی کچھ فرصت کے اوقات نصیب ہوئے۔ حالات کے تقاضہ کو مدِ نظر رکھتے ہوئے میں نے بھی الحسنات میں "کیا مسافر تھے!" کے عنوان سے مضامین کا ایک سلسلہ شروع کیا۔ جو تقریباً دو سال تک چلتا رہا۔ اس دوران میں جناب ساحل صاحب سے کچھ گہری چھنتی رہی۔ ملاقاتوں ہی ملاقاتوں میں ان کے ادبی جوہر کھلنے لگے۔ کچھ تحریری ذمہ داریاں بھی اُن پر پڑیں۔ جس سے اندازہ ہوا کہ اُن میں ادبی ذوق بہت ہی ستھرا اور نکھرا ہوا پایا جاتا ہے اسی زمانہ میں اُن کا ادبی قافلہ آہستہ آہستہ آگے بڑھتا رہا۔ ضرورت کے تقاضہ کے تحت اس میدان میں اُن کو غیر معمولی محنت بھی کرنا پڑی۔ نتیجہ کے طور پر ان کا ادبی ذوق اور ادبی تڑپ روز بروز

www.taemeernews.com

بڑھتی چلی گئی۔

ایمرجنسی کے بعد برادرم عبدالحیؒ صاحب مرحوم کی سرپرستی میں تو انھوں نے لمبے لمبے ڈگ بھرنا شروع کر دیئے۔ ادارہ سے شائع ہونے والے ہر رسالہ میں جناب مرتضیٰ ساحل صاحب نظر آنے لگے۔ ایک تو کار بکثرت، دوسرے ذوق کی اکساہٹ اور پھر مناسب رہنمائی نے سفر کو تیز تر کر دیا اور صلاحیت میں چار چاند لگنے لگے۔

ساحل صاحب کیا لکھتے ہیں اور کیسا لکھتے ہیں؟ اس کا اندازہ تو ماہنامہ نور اور الحسنات کے قارئین ہی کر سکتے ہیں۔ لیکن بچوں کے لئے پندرہ بیس کتابوں کا جو سیٹ ادارۂ الحسنات نے شائع کیا ہے، اُسے دیکھنے سے معلوم ہوا کہ ساحل صاحب اپنی ذمہ داری کو بہت اچھے ڈھنگ سے نبھا رہے ہیں۔ سب سے زیادہ خوشی اِس بات کی ہے کہ اِسلام کی اخلاقی تعلیم کو چھوٹی چھوٹی کہانیوں کے روپ میں وہ بچوں کے ذہن میں اُتارنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ حقیقت میں یہ ایک اہم کام ہے اور ہر ایک کے بس کا بھی نہیں ہے۔ وہ تو کہئے مولانا عبدالحیؒ صاحب مرحوم نے اس کی داغ بیل ساحل صاحب کے ذہن میں ڈال دی تھی۔ جواب برگ و بار لا رہی ہے۔

اس مختصر مضمون کے ذریعہ میں ساحل صاحب سے بھی دو دو باتیں کرنا چاہتا ہوں۔ بچوں کی کہانیوں میں بچوں والی زباں ہی استعمال کی جائے تو اچھا ہے اور ایسے الفاظ استعمال کرنے سے بھی حتی الوسع پرہیز کیا جائے جو اُن کی سمجھ یا استعداد سے باہر ہوں۔ مثلاً خود کلامی، کربناک المیہ، سورج کی تمازت، اسٹینڈنگ پوزیشن وغیرہ۔ جتنا معیار بڑھتا جائے اسی اعتبار سے الفاظ بھی منتخب کئے جائیں اس امر کو اگر ملحوظ نہ رکھا جائے تو بچوں کی استعداد بجائے بڑھنے کے متاثر ہوگی۔ آسان مترادفات استعمال کئے جا سکتے ہیں۔ کیونکہ یہ کتب اضافی مطالعہ کے لئے ہیں نہ کہ کورس کی۔ ان کو مرتب کرتے وقت اگر عمر کے ساتھ ساتھ ذہنی ارتقاء کا خیال نہ رکھا گیا تو بچوں میں اُکتاہٹ پیدا ہوگی۔

ساحل صاحب خود کیسے ہیں؟ اس بارے میں صرف دو باتیں لکھنا کافی سمجھتا ہوں۔ دیکھنے میں خوش رو، خوش مزاج اور صاف ذہن کے مالک ہیں اور جو شخص ان سے ملتا ہے، بہت دنوں تک اُنھیں یاد رکھتا ہے۔

---

www.taemeernews.com

سالک دھامپوری

بچّوں کا منفرد ادیب

بچوں کے ادب کی تاریخ اُردو ادب کی تاریخ سے کہیں زیادہ مختصر ہے۔ اُردو میں علمی و ادبی کتابوں کا سلسلہ تو اُنیسویں صدی کے آغاز ہی سے شروع ہو چکا تھا لیکن بچوں کے ادب کی جانب توجہ کافی بعد میں ہوئی۔ یہ بات کسی حد تک صحیح ہے کہ انگریزی زبان و ادب کی بدولت جب جدید خیالات نے ہندوستان میں رجحان پایا تو بچوں کے ادب کی بھی ضرورت کا شدت سے احساس پیدا ہوا۔ دہلی اور پنجاب میں اُردو زبان اور بچوں کے ادب کا سلسلہ شروع ہوا۔

کسی بھی قوم کے بچے اس قوم کے اصل سرمایہ ہوتے ہیں ہم جیسی انھیں غذا دیں گے ویسی ہی اُن کی نشو و نما ہو گی۔ بچوں کی مناسب تعلیم اور موزوں خطوط پر تربیت کی بنیاد پر ہم ان سے کام لے سکتے ہیں۔

کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ بچوں کی کہانی کے لیے ایک اور صرف ایک یہی کسوٹی ہے، وہ ہے "پڑھنے والوں کی کہانی میں دلچسپی"۔ اگر کہانی اتنی دلچسپ ہے کہ بچہ اسے خود پڑھنے پر مجبور ہے تو خواہ اس کے اندر معلومات ہو یا نہ ہو بچہ اسے پڑھے گا ضرور، اس بنیاد پر جب میں نے جناب مرتضیٰ ساحل صاحب کے فن کو پرکھا تو معلوم ہوا کہ ان کے پاس نہ صرف ادب اور زبان کی صفائی ہے بلکہ ایک مقصد بھی ہے اور وہ مقصد ہے بچوں کی اصلاح۔

جناب مرتضیٰ ساحل صاحب ایک طویل عرصہ سے بچوں کے لیے لکھ رہے ہیں انھوں نے نثر بھی لکھی ہے اور نظم بھی۔ اور یہ کہنے میں کوئی باک محسوس نہیں کرتا کہ انھوں نے اُردو ادب کی ان دونوں صنفوں کا حق ادا کر دیا۔

www.taemeernews.com

جہاں تک نظم کا تعلق ہے ان کی ہر نظم ایک مقصد سے لگی بندھی نظر آتی ہے۔ ہمارے یہاں کچھ ادیب ایسے بھی ہیں جنھوں نے بچوں کے ادب کے نام پر لفظی تک بندی اور بے سروپا کہانیاں لکھی ہیں ان کے پاس نہ کوئی پیغام ہے نہ مقصد۔

میں سمجھتا ہوں کہ اگر کسی ادیب کے پاس نہ مقصد ہے نہ پیغام تو وہ یقینی طور پر اپنی قوت ضائع کر رہا ہے۔ اس لحاظ سے جب میں نے مرتضیٰ ساحل صاحب کو دیکھا تو ان کے یہاں دونوں چیزیں نظر آتی ہیں۔ مرتضیٰ صاحب ایک طویل عرصہ سے ادارہ الحسنات سے وابستہ ہیں اور بلاشبہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ ادارہ الحسنات کے بچوں کے رسالے موصوف ہی کی محنت و مشقت کا نتیجہ ہیں۔ مرتضیٰ صاحب اب تک کم سے کم ۲۰۰ نظمیں بچوں کے لیے لکھ چکے ہیں جن کے بارے میں یہاں تبصرہ کرنے کی گنجائش نہیں ہے۔ پھر بھی میں چند نظموں کے کچھ اشعار یہاں پیش کرتا ہوں۔

حالاتِ حاضرہ سے متعلق اپنی ایک نظم آج کی تازہ خبر میں وہ کس خوبصورتی اور سادگی سے لکھتے ہیں ؎

اک اسکول کا جب آج نتیجہ نکلا
فرسٹ آیا ہے جو محنت سے پڑھا کرتا تھا
اس نے پائے ہیں سبھی پرچوں میں سَو سَو نمبر
آج کی تازہ خبر

دیکھا آپ نے کتنی سادگی کے ساتھ بچوں کو محنت سے پڑھنے اور زیادہ سے زیادہ نمبر سے پاس ہونے کی ترغیب دلائی ہے۔

آپ کی ایک نظم سپاہی ہے اس نظم میں موصوف سپاہی کا تعارف کن الفاظ میں کراتے ہیں ملاحظہ فرمائیے ؎

کام ہے اُس کا اعلیٰ بچو
امن کا ہے رکھوالا بچو !

www.taemeernews.com

کرتا ہے یہ سب کی خدمت
پہنچاتا ہے سب کو راحت
انساں ہے یہ ہم جیسا ہی
کہتے ہیں سب اِسے سپاہی

سپاہی کے بارے میں عام طور پر جو تصوّر اور خوف ہمارے سماج میں موجود ہے، مرتضیٰ صاحب نے اس کے برخلاف بچوں کے ذہن میں سپاہی کی ایک ایسی تصویر بٹھائی ہے کہ اُسے خدمت کرنے والا اور رکھوالا بنایا ہے۔

مرتضیٰ صاحب نے نثر میں بھی بے شمار کہانیاں لکھی ہیں۔ آپ کے اصلاحی مزے دار اور دلچسپ کہانیوں کے اب تک کئی انتخاب شائع ہو چکے ہیں جن میں سے کچھ قابل ذکر اس طرح ہیں:

جلوس، کھوٹی اٹھنی، گھوڑے کی دم، توبہ، بدلہ، نٹ کھٹ، صبح کا بھولا، شیر کا انصاف وغیرہ۔ ان کہانیوں میں آپ نے ایک مقصد پیش کیا، اصلاح کی کوشش کی ہے۔

مرتضیٰ صاحب بلاشبہ آج کے دور میں بچوں کے واحد منفرد ادیب ہیں جن پر مجھے فخر ہے میں سمجھتا ہوں کہ وہ بچوں کا جو ذہن اپنی تخلیقات کے ذریعہ بنا رہے ہیں وہ کام نہ کوئی مبلغ کر رہا ہے نہ واعظ۔

www.taemeernews.com

رئیس رامپوری

بچّوں کا ساحِل

بچّوں کے ادب کے سلسلے میں میرا مطالعہ، میری معلومات، بہت ہی کم ہیں۔ ہاں کچھ ایسے اہم نام ضرور ذہن میں ہیں جنھوں نے اس راہ میں خاصی خدمات انجام دی ہیں، ان میں سب سے زیادہ اہم اور محترم نام جناب محمد اسمٰعیل صاحب میرٹھی کا ہے اور اُنکے بعد جناب شفیع الدین نیّر صاحب کا ہے۔ ان دونوں حضرات کے علاوہ بھی کچھ نام ہیں جن کا کام بھی اس ضمن میں ناقابلِ فراموش ہے، مثلاً علامہ اقبال، راجہ مہدی علی خاں، مولانا مائل خیرآبادی، مولانا ابوالمجاہد زاہد، کوثر اعظمی، واقف مرادآبادی، کیف مرادآبادی، افسر میرٹھی اور مُرتضٰی ساحل تسلیمی۔ اِن تمام حضرات میں کسی کا مقام متعین کرنے کا تو حق ہی نہیں رکھتا ہوں، بس جو کچھ سرسری طور پر علم میں تھا وہ عرض کر دیا اور کچھ خاص نام گنا دیئے، ہو سکتا ہے کوئی یا کئی خاص نام رہ بھی گئے ہوں۔

بچّوں کے ادب کے سلسلے میں متذکرہ بالا ادباء و شعرائے کرام کی تخلیقات پڑھنے کا مجھے بہت ہی کم موقع میسر آسکا ہے مگر چونکہ رامپور کے ایک اہم ادبی ادارے "الحسنات" میں اس کے مالک و مہتمم عبدالملک سلیم صاحب اور اس کے روحِ رواں مرتضٰی ساحل صاحب سے بھی ایک مدت سے ربط ہے جس میں ان دونوں صاحبان کی قلمی صلاحیتوں کے ساتھ ساتھ ان کی مزاجی خوبیوں کا بھی دخل ہے پھر ادارہ الحسنات سے شائع ہونے والے رسائل بھی اکثر نظر سے گذرتے رہتے ہیں،

www.taemeernews.com

اوران میں سے بچوں کے رسائل " نور " اور " ہلال " کے مطالعہ کا بھی موقع ملتا رہتا ہے۔ ان دونوں رسائل میں بچوں پر ساحل صاحب کی نظمیں اور مضامین بھی نظر سے گذرتے رہے اور اس راہ میں بھی صاحب موصوف کی صلاحیتوں کا اعتراف کرنا پڑا۔

ہلکے پھلکے دلچسپ انداز میں کارآمد، بامقصد اور تعمیری نظموں کے تعلق سے اگر مرتضیٰ ساحل صاحب کو " بچوں کا ساحل " کہا جائے تو بے جا نہیں ہوگا۔ آپ نے لگ بھگ چار سو نظمیں بچوں کے لئے کہی ہیں اور تمام کی تمام ملک کے مختلف اخبارات و رسائل میں شائع ہو چکی ہیں اور مہاراشٹر میں تو سرکاری نصاب میں شامل ہیں اور اکثر نجی اداروں نے بھی اپنے یہاں پڑھائی جانے والی کتابوں میں انھیں شامل کر لیا ہے۔

ساحل صاحب اس اعتبار سے بھی قابلِ ستائش ہیں کہ بہ یک وقت کئی رسائل کی ترتیب و تزئین بھی ان کے ذمہ ہے، مختلف روزناموں اور اخبارات کے لئے اداریئے، تبصرے اور مضامین بھی تحریر کرنا جو زیادہ تر اور خاص طور سے ملت کے مفاد میں ہوتے ہیں۔ نیز گھر کی ذمہ داریاں تو مستقل ہیں ہی کہ ماشاءاللہ ماں باپ، بہن بھائیوں کے ساتھ ساتھ ایک عدد شریف بیوی کے شوہر نامدار بھی ہیں اور اپنے بچوں کے باپ بھی اور اس پر طرّہ یہ کہ مقامی سیاست میں بھی شاید خدمتِ خلق ہی کے جذبے کے تحت اپنی ٹانگ اڑا بیٹھے اور میونسپل بورڈ رامپور کے ممبر بھی منتخب کر لئے گئے۔ اب اندازہ کیجئے کہ دنیا بھر کی ذمہ داریاں ایک طرف اور یہ کئی ہزار خصوصی ذمہ داریاں اپنی جگہ، یعنی آپ کے حلقے میں کئی ہزار لوگ رہتے ہیں اور جیسے ان کے ہر اچھے برے کی ذمہ داری کا ساحل بھی ساحل صاحب ہی ہیں، تو ان تمام باتوں کے ساتھ ساتھ بچوں پر نظمیں کہنا اور اتنی تعداد میں کہنا بہ ایں حالات کسی جناتی صفت انسان کا ہی کام کہا جا سکتا ہے۔

زندگی کی بیشتر اصناف پر تو بے شمار لوگوں نے بے شمار لکھا ہے اور کہا ہے مگر اس تناسب سے بچوں کے ادب پر بہت کم لوگوں نے توجہ دی ہے تو ظاہر ہے کہ جنھوں نے توجہ دی ہے وہ خاص طور سے لائقِ توصیف و احترام ہیں اور انھیں میں سے ایک ممتاز ہستی مرتضیٰ ساحل صاحب ہیں۔

www.taemeernews.com

بچوں کے لئے کچھ کہنا، کچھ لکھنا کوئی مذاق کام نہیں ہے، سب سے پہلے تو وہ سب کچھ انتہائی سادہ الفاظ میں ہو، طویل نہ ہو، یا مقصد ہو، نصیحت آمیز ہو اور انداز بیان ایسا ہو کہ ہر بچے کے دل میں اترتا چلا جائے، اس کے دل پر اثر کرے اور زندگی بھر کے لئے ذہن نشین ہو جائے۔ یہ تمام ضروری باتیں ساحل صاحب کے کلام میں بدرجہ اتم موجود ہیں جس کے ثبوت کے لئے بغیر کسی تمہید و تبصرے کے میں قارئین کرام کی خدمت میں ان کی صرف تین عدد نظمیں پیش کر رہا ہوں۔

"ککڑوں کوں"

سب سے اعلا اللہ ہے　　سب سے بالا اللہ ہے
میں اللہ کا بندہ ہوں
مرغا بولا ککڑوں کوں

رَب جگنے کو دانہ دے　　رب ہی سب کو کھانا دے
میری ہے دن رات یہ رٹ
مُرغی بولی کٹ کٹ کٹ

ننھا منا بچہ میں　　لیکن اچھا بچہ میں
رب کے حکم پہ چلتا ہوں
چوزہ بولا چوں چوں چوں
مُرغی بولی کٹ کٹ کٹ
مُرغا بولا ککڑوں کوں

"پانی"

بڑا مہربان ہے ہمارا خدا　　بہت نعمتیں اس نے کی ہیں عطا
یہ ابّو، یہ امّی، یہ بھائی بہن　　پہاڑ اور دریا، چمن اور بن

www.taemeernews.com

ہوا دی کہ دُنیا میں ہم جی سکیں　　دیا صاف پانی کہ ہم پی سکیں
یہ پانی جو پیتے پلاتے ہیں ہم　　یہ پانی کہ جس سے نہاتے ہیں ہم
یہ پانی جو کھیتوں کو دیتے ہیں ہم　　غرض ان گنت کام لیتے ہیں ہم
یہ پانی، ہوا، چاند، سورج ہی کیا
بہت نعمتیں رب نے کی ہیں عطا

"رکشا والا"

بناتا نہیں خود نصیب آدمی　　یہ ہے پیارے بچّو غریب آدمی
کہ دن رات رکشا چلاتا ہے یہ　　کہ محنت سے روزی کماتا ہے یہ
نہ آرام پاتا ہے سردی میں یہ　　بہت تھرتھراتا ہے سردی میں یہ
میسر نہ گرمی میں ہو چھاؤں تک　　کہ سر سے پسینہ بہے پاؤں تک
نہ اس کو حقارت سے دیکھو کبھی
ہماری طرح یہ بھی ہے آدمی

---

www.taemeernews.com

مرتضیٰ ساحل تسلیمی
مشاہیر کی نظر میں

کنور مہندر سنگھ بیدی سحر

مرتضیٰ ساحل تسلیمی نے اُردو ادب میں ایک ایسے میدان کا انتخاب کیا ہے جس میں طبع آزمائی کے وقت دس بار سوچنا پڑتا ہے۔ بڑوں کے لئے لکھنا اور کہنا جس قدر آسان ہے بچوں کے لئے لکھنا اور کہنا اسی قدر مشکل کیونکہ بچوں کی نفسیات اور ذہنی ساخت اور اخذ کرنے کی صلاحیتوں کو سامنے رکھنا پڑتا ہے۔ مرتضیٰ ساحل نے بچوں کے لئے جو بھی لکھا ہے خوب بہت خوب لکھا ہے۔ سرسید کا اصل اثر سب سے زیادہ انھوں نے ہی قبول کیا ہے۔ ایسا کچھ تحریروں کو دیکھنے کے بعد گمان ہوتا ہے۔ مرتضیٰ صاحب بچوں کے ادب کے تعلق سے بہت کامیاب ہیں اور میں مزید کامیابی کی امید رکھتا ہوں۔

دیوان بریندر ناتھ "ظفر پیامی"

بچوں کا ادب بہرحال اُردو زبان کی انتہائی اہم ضرورت ہے اور اس ضمن میں مرتضیٰ ساحل تسلیمی کی کاوشیں نہ صرف قابل قدر ہیں بلکہ قابل تحسین بھی۔ میری دلی دُعائیں ان کے ساتھ ہیں کہ وہ سالہا سال تک اُردو کی یہ گراں مایہ خدمت سرانجام دیتے رہیں۔

www.taemeernews.com

محمد جاوید اقبال

موصوف کی تصنیفات ایک عرصہ سے میرے مطالعہ میں رہی ہیں اور حال ہی میں ان کی کہانیوں پر مشتمل جو ایک سٹ شائع ہوا ہے اس کے مواد سے میں بہت متاثر ہوا ہوں۔ دراصل بچوں کے لٹریچر تیار کرنے کا کام بہت اہم ہے اور مرتضیٰ ساحل صاحب نے اس سلسلہ میں اچھا کام کیا ہے۔ بتول میں جس طرح قارئین کے سوالات کے جوابات دیتے ہیں وہ مجھے بہت پسند ہے۔ خواتین کی نفسیات کے پیش نظر اسلامی تعلیمات کی روشنی میں مناسب، موزوں جواب دیتے ہیں۔

سیدہ نسرین نقاش

میری بڑی خواہش تھی کہ میں کچھ لکھوں لیکن مجبور ہوں اور بے بس بھی، وقت کی تلخ یادوں نے مجھ سے وہ سکون چھین لیا ہے جو لکھنے کے لئے درکار ہوتا ہے۔ اس وقت ہر لمحہ میری زندگی کا آخری لمحہ ہے اور ہر سانس دنیا سے رخصتی کی آخری اطلاع ہے۔ متعدد بار لکھنے بیٹھی لیکن گولیوں کی تڑتڑاہٹ، معصوم سسکیوں کی بازگشت، نوجوان بھائیوں کی خون میں لتھڑی ہوئی لاشیں وقفہ وقفہ سے میرے سامنے آتی رہتی ہیں اور میرے ذہن کو منتشر کرتی رہتی ہیں اور اسی کے ساتھ ہر وقت یہ خدشہ رہتا ہے کہ نہ جانے کس وقت میرا یہ ہنستا کھیلتا گھر.....! مجھے بڑا دکھ ہے کہ ان آزمائشوں کی نذر میرا پیارا رسالہ جسے میں نے اپنے خون پسینے سے سینچا 'آنچل' کے نام سے جاری کیا تھا، بند ہو گیا۔ ورنہ دہلی میں ساحل صاحب کے متعلق کنور مہندر سنگھ بیدی سحر کی زبانی ان کی ادبی خدمات کے بارے میں سنا تھا تو میں نے یہ فیصلہ کیا تھا کہ میں اپنے رسالے کا 'بچوں کا ادب' کے عنوان سے ایک نمبر نکالوں گی اور یہ نہ ہو سکا تو مرتضیٰ ساحل سے بذات خود ملاقات کر کے ایک معلوماتی مضمون شائع کروں گی اور اپنا یہ ارادہ میں نے ان کے سامنے رکھا تو سحر صاحب نے بھی فرمایا کہ ہاں یہ ایک اچھا قدم ہوگا۔ لیکن میری یہ خواہش بس خواہش ہی رہی اور میں اس کو عملی جامہ نہ پہنا سکی۔ لیکن جب بھی حالات سازگار ہوئے اور زندگی رہی تو انشاء اللہ یہ کام انجام دوں گی۔ میں خط لکھ رہی ہوں اور ساحل صاحب کی نگارشات، ان کی غزلیں، ان کے ادبیے اور کتابیں

www.taemeernews.com

میرے سامنے میز پر بکھری ہوئی ہیں اور میں حسرت بھری نگاہوں سے ان کو تک رہی ہوں اس طرح جیسے میں مفلوج ہوں۔

البتہ اتنا ضرور کہوں گی کہ موصوف نے بچوں کے ادب کے سلسلہ میں جو کئی سو نظمیں اور کہانیاں لکھی ہیں وہ بچوں کے لئے بیش بہا سرمایہ ہیں اور مستقبل میں اچھی نسل کی ضمانت بھی، اور جب بھی کوئی مورخ بچوں کے ادب کے سلسلہ میں تاریخ مرتب کرے گا مرتضیٰ ساحل تسلیمی کا نام سنہرے حرفوں سے سرفہرست لکھا جائے گا، انشاء اللہ۔

مائل خیرآبادی

بچوں کے لئے مرتضیٰ ساحل کے یہاں جس زبان کا استعمال ہوا۔ اس سے بہتر، آسان اور عام فہم زبان بچوں کے ادب میں نہیں لکھی گئی۔ یہ الگ بات ہے کہ ساحل کے یہاں بچوں کو سمجھانے کے لئے جانوروں کا سہارا لیا گیا ہے جو دوسروں کے یہاں بہت کم ملے گا۔ لیکن یہ ہی مرتضیٰ ساحل کا ایک اچھوتا انداز ہے اور ویسے بھی جو لوگ بچوں کی نفسیات سے واقف ہیں انھیں اس بات کا اعتراف ہوگا کہ بچے شخصی مثالوں سے زیادہ کیڑے مکوڑوں، شیر اور دیگر جانوروں کی باتیں زیادہ غور سے 'سنتے' پڑھتے ہیں۔

آج کے ادیبوں پر ان کے اسلوب اور اندازِ بیاں پر کسی نہ کسی مصنف کا اثر نمایاں طور پر معلوم ہوتا ہے اور اگر کوئی بہت بچ سنبھل کر نکلنے کی کوشش کرے تب بھی کہیں نہ کہیں وفاداری کے نشان اپنی تحریروں میں چھوڑ جاتا ہے۔ مرتضیٰ ساحل کے یہاں یہ بات ہے کہ اُن کا قلم کسی سے متاثر نظر نہیں آتا، مرتضیٰ کی تحریریں تخلیقی حیثیت کی حامل ہیں کسی سے متاثر ہوکر نہیں لکھی گئی ہیں۔

مرتضیٰ ساحل نے بچوں کے ذہن کو اسلامی سانچے میں ڈھالنے کی انتہائی کامیاب کوشش کی ہے۔ نیز انھوں نے قلم خود کو سامنے رکھ کر نہیں بلکہ بچوں کو سامنے رکھکر چلایا ہے۔

بتول، نور وغیرہ میں خواتین اور نوعمر بچوں کے لئے حالاتِ حاضرہ پر جو اداریئے لکھتے ہیں، خوب لکھتے ہیں اور ایسا انداز اپناتے ہیں کہ قاری' میں سمجھتا ہوں بنا اثر لئے نہیں رہ سکتا اور بہت دنوں تک یاد رکھی جانے والی تحریری روح اداریوں میں پیش کرتے ہیں۔ مختصراً

www.taemeernews.com

میں اُن کی اوّل صلاحیتوں کا معترف ہوں اور دُعا کرتا ہوں کہ خدا اُن کی اِن کاوشوں کا اجرِ عظیم عطا کرے۔ آمین۔

سید شہاب الدّین۔ ممبر پارلیمنٹ

کسی بھی تحریر میں خواہ مخواہ طوالت ناگوار لگتی ہے اور تحریر سے جو اثر ہونا چاہیئے طوالت کی وجہ سے وہ اثر بھی جاتا رہتا ہے۔ مرتضیٰ ساحل جو بچوں کے معروف ادیب کی حیثیت سے اپنی پہچان رکھتے ہیں نے اپنی تخلیقات میں بھرتی کی عبارتوں سے پرہیز کیا ہے اور خواہ مخواہ طوالت کی بدعت سے قلم کو باز رکھا ہے۔ ان کی تحریروں سے اندازہ ہوتا ہے کہ بچوں کی نفسیات کو انھوں نے بڑی مہارت سے سمجھا ہے۔ ساحل نے اپنی تحریروں میں خواص کے بجائے عوام کا خاص خیال رکھا ہے۔ یہ ان کے اداریئے اور دوسرے مضامین نیز صحافتی اداریئے ثبوت پیش کرتے ہیں۔ اُنھوں نے علم الکلام اور فلسفہ و منطق کی پیچیدگیوں سے عوام کو بچایا ہے۔ سیدھے طور پر بات پہنچانے کی کوشش کی ہے اور بچوں کو تحریر میں کھو دینے کا فن اُن کے اندر خوب پایا جاتا ہے۔ اُنھوں نے اصلاح و تربیت کی بات بچوں کے دل میں اُتارنے کے لئے بہترین اور کامیاب کوشش کی ہے۔

قاضی حُسین احمد۔ پاکستان

بچے قوم کا مستقبل ہیں، کل بڑے ہو کر یہی مُلک کی قیادت سنبھالیں گے۔ آپ اگر بچوں کی تربیت و پرورش اچھے خطوط پر کریں گے تو بڑے ہو کر یہ ملک کی خیر خواہی اور بھلائی کے لئے کام کریں گے۔ اب اُن کی ذہنی نشوونما کو صحیح خطوط پر ڈھالنے کے لئے جو بھی تحریری طور پر، تقریری طور پر اور جس طرح ممکن ہو تربیت کرے گا وہ کارِ خیر میں شمار کیا جائے گا۔ مرتضیٰ ساحل خدا کے فضل سے ان ادیبوں میں سے ہیں جنھوں نے نوعمر شگوفوں کی ذہنی تربیت اسلامی خطوط پر کی ہے۔ الحمدللہ اُن کی تحریروں میں اسلامیات کا عنصر صاف طور پر نمایاں ہے۔ میرا مشورہ ہے کہ دُنیا کے اس بگڑتے ہوئے حالات میں خیر امت کا فریضہ انجام دیتے ہوئے اُن کو مزید محنت کرنی چاہیئے اور باطل طاقتیں جس انداز سے نوجوان نسل کی تباہی کا سامان مہیا کر رہی ہیں اُس کو بھی

www.taemeernews.com

سامنے رکھتے ہوئے بچّوں کے لئے شروع ہی سے مختلف اندازوں میں کچھ نہ کچھ بتلاتے رہنا چاہئے اور ویسے بھی قلمکار حضرات پر مسلمان ہونے کے ناطے فرض عائد ہوتا ہے۔ اس سے فائدہ یہ ہوگا کہ کل جب یہ بچّے جوان ہوں گے تو آپ کو ایک ایسا ماحول، ایک ایسی نسل ملے گی جو معروفات کو پھیلانے اور منکرات کو مٹانے کے لئے جی توڑ محنت کرے گی۔ میری نیک خواہشات اس نوجوان ادیب کے ساتھ ہیں جو اپنے قلم سے معصوم بچّوں کے ذہنی ارتقاء کے لئے جہد کر رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ اُن کی کاوشوں کو قبول فرمائے۔

مولانا محمد سلیمان قاسمی

مُرتضیٰ ساحل تسلیمی کے فن کا یہ امتیاز ہے کہ اُن کی کہانیاں اور شاعری از اوّل تا آخر تعمیری اور صالح ہیں، گو کہ یہ خوبی بھی اُردو میں بچّوں کے تمام ادیبوں کے یہاں ملتی ہے لیکن خالص اسلامی فکر اور اسلامی قدروں کو بچّوں کے ادب میں پیش کرنے کا سہرا یقیناً ساحل کے سر ہے اور یہی امتیاز ہے جو انھیں موجودہ دور کے تمام ادیبوں سے ممیّز کرتا ہے۔ ساحل کی شاید ہی کوئی تخلیق ایسی ہوگی جس میں اسلامی اصولوں اور قدروں سے ہٹ کر کوئی بات کہی گئی ہو۔ انھوں نے بچّوں کی عمر اور ذہنی و دماغی صلاحیت کو مدّنظر رکھتے ہوئے ہر عمر کے بچّوں کے لئے کہانیاں تخلیق کی ہیں جو بچّوں کے دل و دماغ پر دیرپا نقش چھوڑتی ہیں۔

نعیم صدیقی۔ پاکستان

مُرتضیٰ ساحل تسلیمی اسلامی فکر کے حامل ہیں اور اسلامی خطوط پر ہی ان کی پرورش ہوئی ہے اور چاہتے ہیں کہ مسلمان باعمل مسلمان بن جائیں، موجودہ حالات سے فکرمند ہیں۔ غیر اسلامی طریقہ کار پر مختلف انداز میں انگشت نمائی کرتے ہیں اور یہ جذبہ اپنے اندر رکھتے ہیں کہ برائیوں کا قلع قمع ہونا چاہیئے۔ آنے والی نسل کو پیغام دیتے ہیں کہ وہ بڑے ہو کر اللہ کے جانباز سپاہی بنیں ــــ یہ وہ تاثرات ہیں جو ان کی مختلف تحریروں سے میں نے اخذ کئے ہیں۔ اُن کا جذبہ قابلِ قدر ہے اور جو کام وہ کر رہے ہیں، اس کا بیڑا اٹھانا ہے۔ اللہ تعالیٰ سے دُعا ہے کہ

www.taemeernews.com

وہ دین کی خدمت کا مزید جذبہ پیدا فرمائے۔ عزائم اور سوچ میں استقامت عطا فرمائے اور اُن کی تحریروں سے اسلام کی اشاعت کی راہیں مزید کھول دے یارب العالمین۔

مریم جمیلہ۔ پاکستان

تسلیمی کے افسانوں، اداریوں کا ایک بڑا حصّہ خواتین کے ادب پر مشتمل ہے۔ جس کے ذریعہ خواتین کی نفسیاتی کیفیت، طرز فکر، طرز رہائش اور فطری نسوانیت کا بالاستعات مطالعہ ہمارے سامنے پیش ہوا ہے۔ بلاشبہ ساحل کا مطالعہ وقیع اور تجربہ وسیع ہے۔ اس حقیقت کے پیش نظر ساحل نے عورت کو اپنی تخلیقات میں وہ متوازن مقام دیا ہے جسے دینِ حق نے صحیح قرار دیا ہے۔

سیّد عزیز الحسن جعفری۔ مدیر 'رادِ اسلام'

مُرتضیٰ ساحل تسلیمی کو میں نے کبھی تنگ نظر نہیں پایا۔ مسلمانوں کے ملّی مسائل میں وہ کسی تعصب کے بغیر دوسرے مسلک کے لوگوں کے ساتھ تعاون کرتے ہیں اور اپنا مسلک رکھنے کے باوجود دوسرے مسلک کے لوگوں کے خلاف جنگ آزمائی کبھی اُن کا طریقہ کار نہیں رہا۔ انہی احساسات کا اثر ان کی تحریروں میں ملتا ہے۔ سلجھی ہوئی تحریر عام فہم زبان اُن کی تحریری خصوصیات میں سے ہیں وہ جس میدان میں طبع آزمائی کر رہے ہیں، بڑی محنت اور پتہ ماری کا کام ہے۔ کیونکہ بچوں کی ذہنی ساخت کو سامنے رکھ کر کچھ لکھا جائے، بڑے بڑے لکھنے والے اس صف میں بے وضو نظر آئیں گے۔

خورشید احمد

مُرتضیٰ ساحل تسلیمی بچوں کے ادیب ہی نہیں بلکہ ایک صحافی بھی ہیں۔ ایک اچھے صحافی۔ گرچہ اُن کی پہلی حیثیت بچوں کے ادیب کی ہے لیکن موصوف اپنی ادبی تخلیقات کے ساتھ ساتھ ہلکے پھلکے مضامین روزنامہ، ہفتہ وار اخبارات میں اداریے وغیرہ لکھتے رہتے ہیں۔ کیونکہ صحافی دراصل

www.taemeernews.com

کسی مخصوص زبان میں قوم کا ناصح اور ملک کا وکیل اور رہنما ہوتا ہے۔ اور اس کے ذریعہ کسی قوم و ملک کی مخصوص زبان میں رہنمائی کا فریضہ انجام دیتا ہے۔ ساحل کی شخصیت کے متنوع پہلوؤں میں صحافت کا پہلو بھی اہم ہے۔ وہ اپنے صحافتی مضامین میں حالات پر چابکدستی کے ساتھ قلم اٹھاتے ہیں اور بڑے عجیب عجیب نکتے نکال کر لاتے ہیں۔ غرض یہ کہ ساحل نے جس سمت میں قلم اٹھایا کامیاب ہوئے۔ ویسے ساحل اصول اور نظریاتی انداز سے وقت کی مختلف تحریکات سے نہ صرف ادبی طور پر منسلک رہے ہیں بلکہ عملاً بھی بعض تحریکوں میں سرگرمی کے ساتھ حصہ لیتے رہے ہیں۔

سہیل انجم

موصوف ان افراد میں سے نہیں ہیں جو دوسروں سے متاثر ہوتے ہوں یا کسی کی شخصیت کا اثر قبول کرنے پر مجبور ہوں۔ وہ اثر قبول نہیں کرتے۔ اثر ڈالا کرتے ہیں۔ یہی حال اُن کی تحریروں کا ہے۔ اُنھوں نے ادب کو تخلیق کیا ہے۔ کسی کا اثر قبول نہیں کیا ہے اور نہ ہی کسی کو مثال بنا کر اپنے سامنے رکھا ہے۔ ایسے ہی اصول پسند افراد اپنی مستند حیثیت کو منواتے ہیں: بچوں کے لئے اُنھوں نے جو لکھا ہے وہ ایک تربیتی کورس کی حیثیت رکھتا ہے، ایک بہترین نسل کا سانچہ ہے جس میں ڈھالے ہوئے بچے معیاری کردار اور بلند اخلاق کے حامل ہوں گے۔

ڈاکٹر الطاف حسین

ساحل کی شخصیت اور ادبی افکار کا جائزہ لیں تو پتہ چلے گا کہ وہ ایک ایسا بے کنار سمندر ہے جس کی آغوش میں معلوم نہیں کتنے دریاؤں نے روانی سیکھی۔ ادب، مذہب، سماجیات، سیاست یہ سب اُس کے سمندر کی لہریں ہیں۔

www.taemeernews.com

محمد مسلم غازی

مرتضیٰ ساحل — ایک جائزہ

نپولین بوناپارٹ نے کہا تھا "تم مجھے اچھی ماں دو میں تم کو اچھی قوم دوں گا۔" نپولین کا یہ قول اس وقت کا تقاضا تھا مگر اس تہذیب کے سائے میں پروان چڑھنے والا معاشرہ اچھی ماں کہاں سے دے سکتا تھا۔ تعلیم و تمدن کے اس ترقی یافتہ دور میں تعلیم کی اہمیت اپنی جگہ مسلم ہے اس لئے اب اگر یوں کہا جائے کہ آپ بچوں کے ہاتھوں میں اچھی کتابیں دیجئے تو کل اچھی قوم کی تشکیل کر لیجئے۔

فرائڈ و کاریم اور کارل مارکس کے جدید فلسفوں کی روشنی نے نظروں کو خیرہ کر دیا ہے وہیں ادب اور لٹریچر کے میدان میں جنس زدہ تحریروں نے معاشرہ کی زمام سنبھال لی ہے۔ چھوٹے بچوں کی وقت سے پہلے بلوغت اور ذہنی آوارگی یہودی پروٹوکول کی سازش کے عین مطابق ہے۔ جس کے مطابق یہودیوں کو تمام دنیا کے گدھوں کی سربراہی کے لئے تیار کیا گیا ہے۔ ایسے ماحول میں اصلاح اور تعمیر معاشرہ کا بیڑہ اٹھانا فرہاد کی کوہکنی سے کم نہیں ہے۔ جس میں ضروری نہیں کہ گوہر مقصود حاصل ہو سکے خصوصاً جب کہ بچوں کے ادب کے طور پر ہمارے پاس کوئی سرمایہ نہیں ہے مولانا اسمٰعیل میرٹھی اور شفیع الدین نیر کے بعد میدان خالی نظر آتا ہے۔ ہمارے بڑے بڑے ادیبوں نے نہ جانے کیوں نوخیز ذہن کو نظر انداز کر دیا ہے۔ غالباً اس میں کلچر کی چمک دمک اور پروپیگنڈہ کی چاندنی نہیں ہے۔

بچوں کے ادیب کے لق و دق صحرا میں ایک چھوٹا سا مگر مضبوط سائبان اور نخلستان مرتضیٰ ساحل تسلیمی کی شکل میں نظر آتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ مرتضیٰ ساحل تسلیمی نے ہوا کے رخ کے خلاف سمت سفر متعین کر کے بڑی ہمت اور جواں مردی کا ثبوت دیا ہے۔ اس کا مطلب یہ..... ہرگز نہیں ہے کہ بچوں کے ادب میں اور لوگوں کا کوئی رول نہیں ہے مگر جو کچھ لکھا گیا یا لکھا جا رہا ہے اس

www.taemeernews.com

پر نام نہاد سیکولرزم اور قومی یک جہتی کے دھاروں کی گونج سنائی دیتی ہے جہاں بچے گنگا دھر ملک مہاتما گاندھی اور ٹیگور بننے کا خواب تو دیکھ سکتے ہیں مگر مولانا محمد علی جوہر، محمد بن قاسم اور علامہ اقبالؒ بننے کا خیال تک دل میں نہیں آسکتا۔ مرتضیٰ ساحل تسلیمی کی اوروں کی نظر میں جو محرومیت اور بدنصیبی ہے ہماری نظر میں وہی ان کی سب سے بڑی خوبی اور انفرادیت ہے۔ بچوں کے ہاتھوں پر صالح ادب کی تلوار اور تعمیری کہانیوں کا چراغ تھما کر بگڑے ہوئے معاشرے کے خلاف جہاد پر آمادہ کرتے ہیں، ان کی تحریروں میں جہاں شگفتگی، تازگی اور لالہ و بلبل کی نرگسیت ہوتی ہے وہیں زخموں کی مسکراہٹ، درد و کرب کا آہنگ اور طنز و مزاح کی چاشنی بھی بیک وقت دکھائی دیتی ہے۔

اگر میرا یہ دعویٰ صحیح ہے تو مجھے کہنے دیجئے کہ مرتضیٰ ساحل تسلیمی اس وقت ہندوستان میں اپنی نوعیت کے واحد ادیب ہیں جن کا قلم بچوں کے لئے وقف ہے۔ وہ بیک وقت ماہنامہ الحسنات بمبئی، بچوں کا ڈائجسٹ نور اور ہلال جیسے شہرہ آفاق رسالوں کی ادارت میں شریک ہیں اگرچہ ان کے ایڈیٹر ابو سلیم محمد عبدالحی تھے جنھوں نے مرتضیٰ ساحل تسلیمی کی تعمیر و تشکیل اور ان کی حوصلہ افزائی میں نمایاں رول ادا کیا ہے۔ اللہ مرحوم کو جنت الفردوس میں جگہ مرحمت فرمائے! انہیں تسلیمی صاحب کی صلاحیت اور ادبی شعور پر مکمل اعتماد اور یقین تھا خود ساحل صاحب کا اعتراف ہے کہ انکی ادبی کشتی کو ساحل پر لگانے والے مولانا عبدالحی مرحوم بانی دارالحسنات ہیں۔ اور شاید یہ حقیقت ہے کہ اگر ان کا تعاون نہ ہوتا تو وہ اس مقام پر نہ ہوتے۔

مرتضیٰ ساحل کی اب تک بچوں کے لئے بیس سے زیادہ کتابیں چھپ کر منظر عام پر آگئیں مزید کتابیں زیر اشاعت ہیں۔ سوال یہ ہے کہ یہ گم نام شخص رام پور کی تنگ و تاریک گلیوں میں کیوں سسک رہا ہے؟ جبکہ وہ ایک زبردست ادبی محاذ سنبھالے ہوئے ہے۔ صالح ادب کی تیمی کے دور میں بانداز پروانہ چراغ ہستی جلا رہا ہے۔ اپنی ہستی کو فنا کر کے بچوں کے ذہن کو اچھا شہری بننے کی طرف آمادہ کر رہا ہے۔

ادبی رسالوں اور اخبارات کو موٹی رقم دے کر اپنی تعریف میں مضمون لکھوا کر عوام سے داد و تحسین پانے والے ہر ابھرتے ہوئے فن کار کی گردن مروڑ دیتے ہیں جو برگد کا سایہ بن کر پھلنے والے پیڑ پودوں کو چوس لیتے ہیں۔ کیا مرتضیٰ ساحل تسلیمی اسی سازش کا شکار ہیں یا از خود

www.taemeernews.com

وہ اپنے آپ کو شہرت کی چکاچوند سے دور رکھنا چاہتا ہے کیا اسے اپنی ذات پر بہت زیادہ اعتماد ہے؟ کیا اس کے اندر چاروں طرف پھیلے ہوئے ادبی جاگیرداروں اور ادبی اژدہوں سے مقابلہ کا حوصلہ ہے؟ کیا وہ خود راستہ کے کانٹوں کو صاف کر سکے گا اور کیا یہ دنیا اس کی صلاحیت کا لوہا مان لے گی؟ ان تمام سوالوں کا جواب مرتضیٰ ساحل تسلیمی کی ایک مسکراہٹ میں پوشیدہ ہے وہ کہتے ہیں چلا جاتا ہوں ہنستا کھیلتا موج حوادث سے' ان کی گہری نظروں میں حالات کا کرب اور مستقبل کے عزم کی پرچھائیاں دکھائی دیتی ہیں اور منزل مقصود تک پہنچنے کا یقین کامل بھی۔ مجھے یقین ہے کہ یہ شخص ایک دن اپنی ذات میں ایک انسٹی ٹیوشن ہوگا۔

اگرچہ ان کی تحریروں میں کہیں کہیں بوجھل پن دکھائی دیتا ہے مگر چونکہ ابھی تجرباتی مراحل سے گزر رہے ہیں اور ادبی بھٹی میں تپ کر کندن بن رہے ہیں۔ اس لئے ایک دن ضرور آئے گا جب یہ بے مروت' بے وفا اور طوطا چشم دنیا اس کے آگے سر تسلیم خم کرے گی اور مرنے سے پہلے بھی اس کے اعزازات' تقریبات منعقد کی جائیں گی۔ مرتضیٰ ساحل تسلیمی نے اُردو ادب سے ایم اے کیا اور بی ایڈ بھی ہیں مگر تعلیمی لائن میں جلنے کے مقابلے پر جہاں نسبتاً زیادہ سکون ہے ادب کی پُرخار وادیوں میں قدم رکھنے کا سبب صرف یہ ہے کہ وہ معاشرہ کی گراوٹ اور بڑھتے ہوئے اخلاقی بحران سے ہمیشہ مضطرب رہے اور امت مسلمہ جس نے فیصلہ کر لیا ہے کہ وہ ہمیشہ پراگندہ اور منتشر رہے گی' اسے ایک شیرازہ میں باندھنے کے لئے اپنی طاقت لگانے کا عزم ہے نہیں معلوم کہ مرتضیٰ ساحل تسلیمی نے اپنے مشن میں کامیاب ہو جائیں گے ـــــ لیکن خود ان کا کہنا ہے کہ اس کام کے لئے سینکڑوں مرتضیٰ ساحل تسلیمی درکار ہیں' میں تو صرف ایک نقطہ ہوں۔ میں بھی تائید کرتا ہوں کہ وہ محض نقطہ ہیں مگر مرکزی نقطہ جس سے چاروں طرف دائرے پھیلیں گے۔

مرتضیٰ ساحل تسلیمی فی الوقت ادارہ الحسنات سے وابستہ ہیں اور خواتین کے رسالہ بتول نوعمر بچوں کے ڈائجسٹ نور' اور باوقار ماہنامہ الحسنات اور بچوں کے رسالہ ہلال کی ادارت سے وابستہ ہیں۔ آپ خود اندازہ لگائیں چار مختلف رسالوں میں شریک رہنا جن کا مقصد تو ضرور ایک ہے مگر انداز الگ ہیں' پہاڑوں کا سینہ چیرنے کے مترادف ہے۔ تسلیمی صاحب کو غزل گوئی اور

www.taemeernews.com

افسانہ نویسی میں بھی کمال حاصل ہے۔ مگر موجودہ دور کی عشق بازی اور جنسیت کے سخت مخالف ہیں وہ کہتے ہیں کہ افسانہ میں رومانیت ضروری ہے مگر اس کا مطلب یہ نہیں کہ کردار آپس میں ہم آغوش ہوں اور اخلاقی حدود کو پار کریں۔ یہ تصور ثبات و اہبیات اور ہندوستان کی قدیم روایات کے خلاف ہے۔ اس کا مطلب کہ وہ کلاسیکل ادب کے قائل ہیں مگر جدیدیت کی ہلکی سی آمیزش بھی قبول ہے اور یہی مرتضیٰ ساحل تسلیمی کی خوبی اور انفرادیت ہے کہ وہ ادب کو پابند حدود رکھنا چاہتے ہیں اور ادب کے صنوبر کو آزاد مگر پابہ گل دیکھنا چاہتے ہیں۔ یہی وجہ ہے مرتضیٰ ساحل تسلیمی کے افسانوں میں آب زمزم کا تقدس اور مریم کی پاکیزگی و حضرت ایوبؑ کے صبر کی ہلکی ہلکی جھلک اور تپش ملتی ہے۔ جہاں حسنِ یوسف تو ہے مگر زلیخا کی آوارگی نہیں ہے اور اگر زلیخا کی آوارگی ہے تو دامن یوسف آگے سے نہیں پیچھے سے پھٹا ہے۔ مرتضیٰ ساحل نے جدید اور قدیم کے اشتراک سے وہ ادبی صور پھونکا ہے جس کی آواز کمزور تو ہے مگر پائیدار ہے۔ انھوں نے اپنی تمام تر صلاحیتوں کو بچوں کے ادبی جزیرہ میں سمو دیا ہے اور اپنی کشتی بچوں کے ادب کے ساحل سے لگا دی ہے کیا ان کا شعور آگہی اور لہجہ کی پختگی ان کی حیثیت تسلیم کرا سکے گی؟ اس کا جواب مستقبل کا مورخ دے گا۔

www.taemeernews.com

نگارشاتِ ساحل

(منظومات ، کہانیاں ، ادا ریے)

www.taemeernews.com

www.taemeernews.com

غزل

جس کو چھوٹوں سے پیار ہوتا ہے — وہ بڑا باوقار ہوتا ہے

اُس کا جینا بھی ہے کوئی جینا — جو بُروں میں شمار ہوتا ہے

بے ادب ہر جگہ ہے بے عزت — باادب باوقار ہوتا ہے

اُس سے ہوتی ہے سب کو ہمدردی — خود بھی جو غم گسار ہوتا ہے

بول کر جھوٹ وہ خدا جانے — کس لئے شرمسار ہوتا ہے

دوسروں کی جو چغلیاں کھائے — سب کی نظروں میں خار ہوتا ہے

غم کوئی ہو مگر نماز کے بعد — دل کو حاصل قرار ہوتا ہے

دولتِ دیں جس کو مل جائے — وہ بہت مال دار ہوتا ہے

اُس کو اچھا کوئی نہیں کہتا — فیل جو بار بار ہوتا ہے

پاس کیا ہو وہ امتحان میں جو
مدرسے سے فرار ہوتا ہے

www.taemeernews.com

گیت

سختیاں، ناکامیاں ہم سہہ گئے
چاند کی مانند لیکن کہہ گئے
داغ ناکامی کا لے کر رہ گئے
"دل کے ارماں آنسوؤں میں بہہ گئے"

وقت کب باتوں میں کھونا ہے ہمیں
کھیلنا ہے اور نہ سونا ہے ہمیں
ساتویں میں پاس ہونا ہے ہمیں
"برستم یہ سوچ کر ہم سہہ گئے"

دن اگر ایسا نہ دِکھلاتا خُدا
ساتھ مِل جاتا ہمیں آنوار کا
آٹھویں میں فیل وہ بھی ہوگیا
"فاصلے جو درمیاں تھے رہ گئے"

اب کہاں 'لختِ جگر' اور 'نورِ عین'
اِس قدر ہم سے خفا ہیں والدین
شفقتیں ٹھوکر نہیں اب دل کو چین
"پیار کے قصّے ادھورے رہ گئے"

www.taemeernews.com

اے میرے دلِ ناداں

اے میرے دلِ ناداں پڑھنے سے نہ گھبرانا

اچھا تو نہیں ہرگز اب دیر تلک سونا
اور عمر کو کھیلوں میں یونہی تو نہیں کھونا
چھوٹا ہوں ابھی لیکن اک دن ہے بڑا ہونا
کچھ کام نہ آئے گا اس وقت کا پچھتانا
اے میرے دلِ ناداں پڑھنے سے نہ گھبرانا

میں خوب سمجھتا ہوں جو علم ہے عظمت ہے
میں خوب سمجھتا ہوں کیا علم کی قیمت ہے
میں خوب سمجھتا ہوں اقبال یہ نعمت ہے
اس علم کی نعمت کو لازم ہے مجھے پانا
اے میرے دلِ ناداں پڑھنے سے نہ گھبرانا

پڑھنے کے لئے مجھ کو اسکول تو جانا ہے
ہر لفظ کے معنی کو پھر دل میں بٹھانا ہے
جو کل کا سبق ہوگا فر فر وہ سنانا ہے
ٹیوٹر سے بھی پڑھنا ہے گھر پہ مجھے روزانا

www.taemeernews.com

اے میرے دلِ ناداں پڑھنے سے نہ گھبرانا

اُستاد ہو کوئی بھی رُتبے میں وہ عالی ہے
اسکول تو گلشن ہے، گلشن کا وہ مالی ہے
مَیں نے بھی بھلائی کی یہ راہ نکالی ہے
اک پھُول مجھے بن کر گلشن کو ہے مہکانا
اے میرے دلِ ناداں پڑھنے سے نہ گھبرانا

ہرگز نہ رہے جاہل، ہرگز نہ رہے جاہل
وہ شخص بھی کیا انساں جو علم سے ہے غافل
کیا زیست کا مقصد ہے سوچا ہے کبھی ساحل
اللہ کے بندوں تک اسلام کو پہنچانا
اے میرے دلِ ناداں پڑھنے سے نہ گھبرانا

www.taemeernews.com

پہیلیاں

م مری اِک پہیلی بتاؤ میاں ذرا عقل اپنی لڑاؤ میاں

و وہ کیا ہے اندھیرے میں اکثر جسے جلاتے ہیں ہم روشنی کے لیے

م مکانوں میں اس کو جلاتے ہیں ہم دکانوں میں اس کو جلاتے ہیں ہم

ب بناوٹ میں لگتی ہے وہ پنسیل بہت سی دکانوں پہ جاتی ہے مل

ت تمہاری سمجھ میں نہ آئے اگر تو بتلاؤ تصویر میں دیکھ کر

ی یہ بس ش ہے م ہے اور ع
یہ کیا ہے دیا، لمپ یا لالٹین

ک کہو اُس پرندے کا کیا نام ہے گھروں میں جسے پالنا عام ہے

ب بہت خوبصورت تو ہوتا ہے وہ مگر مور ہے اور نہ طوطا ہے وہ

و وہ اُڑ کر چلا جائے میلوں اگر مگر شام کو لوٹ آتا ہے گھر

ت تمھیں اس کی بولی بتا دوں اگر غٹر غوں غٹر غوں غٹر غوں غٹر

ر رہے گی پہیلی پہیلی کہاں
یہ ہے ک ب وت ر میاں

www.taemeernews.com

✻

ب — بتاؤ مرا نام بھائی سہیل
میں ہوں اچھے بچوں کا دلچسپ کھیل

ے — یہ فوٹو جو ہے ٹائیٹل پر بنا
مرا ہے مرا ہے مرا ہے مرا

ڈ — ڈبل ہی دو دو بھی کھیلیں مجھے
نہ ہوں چار تو دو ہی کھیلیں مجھے

م — مجھے گیند بلے سے تم کھیل لو
اگر بیچ میداں میں جال نہ

ن — نہ ہو جال تو کھیل میں کیا مزا
پروں کی نہ ہو گیند تو لطف کیا

ٹ — ٹہلنا بھی ہے ایک ورزش مگر
مجھے بھی ذرا دیکھ لو کھیل کر

ن — نہ پاؤ گے میری طرح کوئی کھیل
بتاؤ مرا نام بھائی سہیل

✻

س — سب کے آتا ہوں کام کون ہوں میں
یاد ہے میرا نام کون ہوں میں

و — وقت جوں ہی سحر کا ہوتا ہے
بس ارادہ سفر کا ہوتا ہے

ر — رات کو میں نظر نہیں آتا
چل کے میں شام تک ہوں تھک جاتا

ج — جب بھی اپنی نظر اٹھاؤ گے
تم مجھے آسماں پہ پاؤ گے

جاننا ہو اگر مجھے بچو!
ج ر و س میں ڈھونڈو

www.taemeernews.com

بوجھو تو جانیں

پیارے بچّو! میں اک پھل ہوں بوجھو میرا نام
خربوزہ، تربوز ہوں میں، یا نارنگی یا آم
شوق سے کھائیں بچے، بوڑھے راجہ اور غلام
بھاری بھرکم جسم ہے میرا، قد جیسے فٹ بال
باہر سے میں ہرا ہرا ہوں اور اندر سے لال

ابّو جب بازار سے آئیں ساتھ مجھے بھی لائیں
امّی، بھائی، باجی، بی بی سب مل جل کر کھائیں
میرا شربت بنا بنا کر شوق سے سب پی جائیں
گرمی کے موسم میں بچّو! ملتا ہوں ہر سال
باہر سے میں ہرا ہرا ہوں اور اندر سے لال

برف میں رکھی ٹھنڈی ٹھنڈی میٹھی میٹھی پھانکیں
ٹھیلوں پر اکثر بکتی ہیں میلوں بازاروں میں
بازاروں میں کھانے والے لوگ خریدیں کھائیں
شرم نہیں یوں کھاتے آئے اُن کی ٹپکے رال
باہر سے میں ہرا ہرا ہوں اور اندر سے لال

www.taemeernews.com

حجّام

دیکھئے ان کو، یہ حضرت کون ہیں
ہاتھ میں ان کے ہے کِسوَت کون ہیں

یہ میاں عبدل ہیں، یہ حجّام ہیں
باربر، نائی بھی ان کے نام ہیں

ان کی کِسوَت میں ہے قینچی اُسترا
تولیہ، صابن ہے، کنگھا، آئینہ

اِک برش ہے اُک مشین اور پھٹکری
یہ بھی چیزیں ہیں ان کے کام کی

بال انگریزی کتر دیتے ہیں یہ
مونڈھ کر سَر صاف کر دیتے ہیں یہ

یہ بہت اچھے ہیں نیک انسان ہیں
یہ بھی ہم جیسے ہی ایک انسان ہیں

www.taemeernews.com

بدلہ

ایک تھے باری ایک تھے خالق۔

دونوں آپس میں بھائی تھے۔ دونوں مل جل کر رہتے تھے۔ ساتھ ساتھ اسکول جاتے تھے۔ گھر پر ایک جگہ بیٹھ کر پڑھتے تھے۔

ایک دن باری کی دوات خالق سے گر گئی۔ باری کو غصہ آ گیا۔ انھوں نے خالق کی دوات گرا دی

اب خالق کو بھی غصہ آ گیا۔ پہلے تو وہ کہہ رہے تھے بھائی میں نے تمھاری دوات جان بوجھ کر نہیں گرائی ہے۔ میں نے دیکھا نہیں اور ہاتھ لگ گیا مگر باری نے ایک نہ مانی اور بدلہ لے لیا۔

اب خالق نے باری کا قلم توڑ دیا۔ باری نے جھٹ خالق کی کاپی پھاڑ دی۔ دونوں گتھم گتھا ہو گئے۔ دونوں ایک دوسرے کو برا بھلا کہنے لگے۔

امی باورچی خانے میں تھیں۔ سعدیہ نے انھیں جا کر بتایا۔ امی جلدی سے ان دونوں کے پاس آئیں۔ دونوں کو الگ الگ کیا۔ پھر پوچھا کیا بات ہوئی۔ اچھے بچے ہو کر بھی لڑتے ہو۔

باری نے بتایا ــــ "انھوں نے میری دوات گرا دی۔"

خالق بولے ــــ "میں نے جان بوجھ کر تھوڑی گرائی تھی۔ انھوں نے بھی میری دوات گرا دی۔"

باری نے کہا ــــ "ایسی گرائی۔ تم نے میرا قلم بھی تو توڑ دیا۔"

خالق بولے ــــ "تم نے میری کاپی بھی تو پھاڑ دی۔"

امی نے دیکھا ساری میز گندی ہو گئی ہے۔ فرش پر روشنائی بہہ رہی ہے۔ کاپی پھٹی ہوئی ہے۔

امی نے باری سے کہا ــــ "جب تمھاری دوات گر گئی تو تم نے ان کی دوات کیوں گرائی۔"؟

"ہم نے بدلہ لیا ــــ" باری بولے۔

www.taemeernews.com

"اور تم نے ان کا قلم کیوں توڑا؟"

"ہم نے بھی بدلہ لے لیا" خالق نے کہا۔

"اور اب پاپا تم دونوں سے بدلہ لیں گے۔ ہے نا یہ بات! تمھاری دوات گری نقصان کس کا ہوا۔ پاپا کا تمھارا قلم ٹوٹا کس کا نقصان ہوا۔ پاپا کا۔ کاپی پھٹی تب بھی پاپا کا ہی نقصان ہوا۔ بتاؤ بدلہ لینا چاہیئے یا نہیں؟" امی نے یہ بات دونوں سے کہی۔

اب دونوں گم صم تھے سر نیچے کئے کھڑے تھے۔ دونوں کو ڈر لگ رہا تھا کہ آج پٹائی ہوگی۔

امی نے کہا۔ "جاؤ الگ الگ بیٹھ کر پڑھو۔"

دونوں الگ الگ بیٹھ گئے۔ امی اپنے کام میں لگ گئیں۔

شام کو پاپا دفتر سے گھر آئے۔ امی نے ان سے کوئی شکایت نہیں کی مگر وہ دونوں چپ تھے۔ اس لئے پاپا سمجھ گئے کہ ضرور کوئی بات ہوئی ہے۔ انھوں نے باری کو اپنے پاس بلا کر پوچھا۔ باری کچھ نہ بولے اور رونے لگے۔ پاپا نے خالق کو بلا کر پوچھا۔ وہ بھی سہمے ہوئے تھے۔ پھر امی نے پوری بات بتائی اور کہا۔ یہ دونوں کی پہلی غلطی ہے اس لئے انہیں اس حرکت کا اچھا بدلہ ہی ملنا چاہیئے:

ابو نے کہا "بات تو ٹھیک ہے۔ میں ضرور بدلہ لوں گا۔" پھر وہ باری کی طرف دیکھتے ہوئے بولے "جاؤ دونوں کو معاف کیا۔ اب آئندہ مت لڑنا۔" اس فیصلے سے امی بھی خوش ہوگئیں اور وہ دونوں بھی۔ پاپا نے کہا۔ "برائی کا بدلہ برائی سے نہیں لینا چاہیئے۔ اس سے اللہ میاں ناراض ہوتے ہیں دونوں بہت شرمندہ ہوئے اور پھر کبھی نہیں لڑے۔

www.taemeernews.com

کھوٹی اٹھنّی

لو بچو! میری کہانی سنو!

یہ اس وقت کی بات ہے جب میں تمھاری عمر کا تھا بس چھ سات سال کا۔

امّی کے پاس ایک اٹھنّی تھی۔ اٹھنّی کھوٹی تھی۔ خدا جانے کس نے دے دی تھی۔ امّی نے اسے طاق پر رکھ دیا تھا۔ میں نے امّی سے کئی بار پوچھا ــ "امّی یہ اٹھنّی میں لے لوں؟" مگر امّی یہی کہہ دیتیں "بیٹے یہ خراب ہے تم کیا کرو گے"۔ میں بھی یہ سوچتا تھا کہ جب یہ خراب ہے تو میرے کس کام کی۔

ایک دن مجھے ایک ترکیب سوجھی۔

ہمارے گھر کے پاس جمعہ خاں کی دُکان تھی۔ دُکان بہت چھوٹی سی تھی۔ انھوں نے مونگ پھلیاں بسکٹ اور ٹافیاں رکھ لی تھیں۔ انہی کو بیچتے تھے۔ جمعہ خاں کافی بوڑھے تھے۔ نظر بھی کمزور ہو گئی تھی۔ رات کو دکان میں مٹّی کے تیل کا لیمپ جلا لیتے تھے۔

میں نے چپکے سے اٹھنّی لی اور جمعہ خاں کی دُکان پر پہنچ گیا۔ ان سے کہا ــ "چچا چار آنے کی مونگ پھلیاں دے دیجئے"۔ سارے بچے انھیں چچا ہی کہتے تھے۔

چچا نے مونگ پھلیاں دے دیں۔ میں نے اٹھنّی دے دی۔ چچا نے اٹھنّی دیکھی اور صندوقچی میں رکھ لی چار آنے مجھے واپس دے دیئے۔ میں مونگ پھلیاں کھاتا ہوا گھر آ گیا۔ چونّی امّی کو دے دی۔

امّی نے پوچھا ــ "یہ کہاں سے آئی؟"

میں نے خوش ہو کر کہا ــ "وہ آپ کی اٹھنّی تھی نا میں نے وہ چلا دی۔

"کہاں چلا دی؟" امّی نے پھر پوچھا۔

میں نے پوری بات امّی کو بتا دی۔

www.taemeernews.com

وہ بہت خفا ہوئیں۔ بولیں "یہ تم نے اچھا کام نہیں کیا۔"

مجھے تعجب ہوا کہ یہ اچھا کام کیوں نہیں ہوا؟ ایک تو کھوٹی اٹھنی چلائی، اس پر اُلٹے امّی ناراض ہیں۔ امّی نے چار آنے دیئے اور کہا "جاؤ، یہ پیسے چچا کو دے کر آؤ۔ اور وہ اٹھنی واپس لاؤ۔ اور ہاں اُن کے دیئے پیسے بھی دے آنا۔"

میں امّی کا حکم کیسے ٹالتا۔ چچا کے پاس گیا اور آٹھ آنے دے کر اٹھنی لے آیا۔ امّی نے وہ اٹھنی اسی وقت کہیں پھینک دی۔

رات کو جب ہم کھانا کھا کر لیٹ گئے تو امّی نے کہا ۔۔۔ "تم نے ایک غلطی تو یہ کی کہ بغیر اجازت پیسے لئے۔ دوسری غلطی یہ کی کہ جمعہ چچا کو دھوکا دیا۔ کتنی بُری بات کی۔ اللہ میاں کیا تم سے خوش ہوں گے۔"

"مگر امّی آپ کو بھی تو ....."

امی نے بات کاٹ کر کہا ۔۔۔ "اگر ایک بے ایمان ہو جائے تو کیا سب بے ایمان ہو جائیں۔ سب دھوکا دینے لگیں۔ ہم مسلمان ہیں ہمیں کسی کو دھوکا نہیں دینا چاہیئے۔ بے ایمانی سے اللہ میاں ناراض ہوتے ہیں۔ تم اللہ میاں سے توبہ کر دو۔"

امّی کی بات میری سمجھ میں آ گئی۔ میں نے اللہ میاں سے توبہ کی اور امّی سے وعدہ کیا کہ اب کبھی ایسی حرکت نہیں کروں گا۔

---

www.taemeernews.com

شمّی کے کھلونے

ننھی منّی ہے اِک لڑکی۔
اس لڑکی کا نام ہے شمّی۔
شمّی پڑھتی لکھتی ہے۔
روز مدرسہ جاتی ہے۔
شمّی کے پاس بہت سے کھلونے ہیں۔
ایک بلّی ہے ــ بلّی کا نام پُوسی ہے۔
ایک طوطا ہے ــ اُس کا نام مٹھو ہے۔
ایک ہے بندر ــ بندر کا نام خوخو ہے۔
اور ایک چڑیا بھی ہے۔
شمّی کھلونوں سے کھیلتی ہے۔
ایک دن شمّی مدرسے گئی۔ درجہ میں اپنی کُرسی پر بیٹھ گئی۔ گھنٹی بجی ــ ٹن ٹن
درجے میں اُستانی صاحبہ آگئیں۔ شمّی اُستانی صاحبہ کو باجی کہتی ہے۔
اُستانی صاحبہ کو سبھی لڑکیاں باجی کہتی ہیں۔
باجی نے سب کا سبق سُنا۔ شمّی کا سبق یاد تھا۔ شمّی نے فَرفَر سُنا دیا۔ باجی بہت
خوش ہوئیں۔
ٹن ٹن ٹن ــ تھوڑی دیر میں تین گھنٹیاں بجیں ایک اور باجی آگئیں۔ یہ باجی حساب
پڑھاتی تھیں۔ باجی نے کالے تختے پر لکھا ــ ۲ ــ ۱ = ؟

www.taemeernews.com

پھر باجی بولیں ۔" بتاؤ بچو! دو میں سے ایک گھٹایا کتنے بچے؟" سب بچے چُپ رہے۔
شمی بھی چُپ رہی۔ وہ سوچ میں پڑ گئی۔
تھوڑی دیر میں پھر گھنٹی بجی ___ ٹن ٹن ٹن ٹن
ایک اور باجی آ گئیں۔ اُنھوں نے سب کو سبق یاد کرایا۔
ٹن ٹن ٹن ٹن ٹن ٹن ۔۔۔۔
مدرسے کی چھٹی ہو گئی۔ شمی گھر پر آ گئی۔
بستہ رکھ کر مُنہ ہاتھ دھوئے۔ امّی نے اُس کو کھانا کھلایا۔
شمی پھر الماری کے پاس گئی۔ الماری کھول کر کھلونے نکالے۔
شمی کھلونوں سے کھیلنے لگی۔
کھیلتے کھیلتے شمی کو سوال یاد آ گیا۔ اُس نے بندر سے پوچھا۔ بتاؤ خوخو ۲ - ۱ = ؟
بندر بولا ___ خوخو خوخو
میں ہوں ایک بندر
میں سب کو کھیل دکھاؤں
میں سب کو خوب ہنساؤں
میں سب کا دِل بہلاؤں
۲ میں سے ۱ گھٹا کر کتنے رہے۔ میں یہ کیسے بتاؤں؟
شمی نے پُوسی کو دیکھا۔ پھر وہ پُوسی سے بولی ___ پُوسی تم بتاؤ۔
دو میں سے ایک کم ہو گیا تو کتنے رہ گئے؟
پُوسی پہلے تو چُپ رہی۔ پھر بولی ___
میاؤں۔ میاؤں
دُودھ مَلائی میں کھاتی ہوں
چُوہے بھی چَٹ کر جاتی ہوں

www.taemeernews.com

میرا تو ہے پُوسی نام
میں حساب کے سوال بتاؤں نہیں یہ میرا کام
شمّی نے پھر چڑیا سے پوچھا۔ "دو میں سے ایک گھٹایا تو کتنے رہ گئے؟"
چڑیا بھی کچھ نہیں بولی۔ اُسے بھی حساب نہیں آتا تھا۔
شمّی کھسیانی ہو گئی۔
طوطے نے شمّی کو دیکھا۔ پھر شمّی سے پوچھا۔ "شمّی چُپ چُپ کیوں ہو؟"
شمّی نے کہا۔ "مٹھو! میں مدرسے گئی تھی نا!"
مٹھو جھٹ بولا۔ "ہاں!"
شمّی نے بتایا۔ "باجی نے ایک سوال دیا تھا ۲۔۱=؟"
مٹھو بولا۔ "میں بتاؤں گا۔"
"بتاؤ۔" شمّی نے کہا۔
مٹھو نے کہا۔ "پہلے دو بیر کھلاؤ پھر بتاؤں گا۔"
شمّی بھاگی بھاگی گئی۔ آنگن میں بیر کا پیڑ کھڑا تھا۔ شمّی نے لکڑی اُٹھائی۔ لکڑی سے بیر توڑے۔ پھر مٹھو کے پاس آئی، بولی۔ "لو مٹھو ڈو بیر۔ دیکھو کیسے لال لال ہیں۔ اب تو سوال بتا دو گے نا!"
"مٹھو نے کہا۔ "پہلے ایک بیر کھلاؤ۔"
شمّی نے ایک بیر مٹھو کی چونچ میں دے دیا۔ ایک بیر شمّی کے ہاتھ میں رہ گیا۔
"ارے واہ۔ میں سمجھ گئی۔ ایک باقی بچے گا۔" شمّی خوش ہو گئی۔ شمّی بندر سے بولی۔ "تو تو تم بدھو ہو۔ تم سے حساب نہیں آتا۔ مٹھو ہوشیار ہے۔ اس سے حساب آتا ہے۔ دو میں سے ایک گھٹایا تو ایک بچ گیا۔" پھر پُوسی سے بولی۔ "پُوسی تم بھی حساب نہیں جانتی ہو۔ مٹھو حساب جانتا ہے۔ اس نے حل کر دیا۔

۲۔۱=۱

www.taemeernews.com

صلہ

اُن دنوں بھائی صاحب لکھنؤ میڈیکل کالج میں زیرِ علاج تھے اور میرا اکثر لکھنؤ آنا جانا رہتا تھا۔ اس کے لئے سب سے زیادہ مناسب ٹرین باؤڑہ امرتسر میل تھی۔ میں فجر کی نماز سے فارغ ہوتا۔ ایک کپ چائے پیتا اور ریلوے اسٹیشن پہنچ جاتا۔

اُس دن بھی ایسا ہی ہوا۔ گاڑی وقت پر آگئی تھی لیکن سارے کمپارٹمنٹ فُل تھے۔ میں تھرڈ ٹائر میں گھُس گیا۔ اکثر سیٹوں پر لوگ لیٹے ہوئے تھے۔ ایک صاحب نے اپنا بستر سمیٹتے ہوئے مجھے جگہ دی۔ کمپارٹمنٹ میں کچھ دوسرے مسافر بھی آگئے اور ذرا سی دیر میں وہ سکنڈ کلاس کے عام ڈبوں جیسا ہی ہوگیا۔

بریلی ریلوے اسٹیشن پر مسافروں کی تعداد میں اس قدر اضافہ ہوگیا کہ ایک ایک برتھ پر سات آٹھ مسافروں سے کم نہ تھے اور اسٹینڈنگ پوزیشن میں بھی کتنے ہی مسافر تھے۔ میرے برابر جو صاحب کھڑے تھے اُن کے ہاتھ میں بیگ تھا اور وہ دوسرا ہاتھ اوپر کی برتھ پر جمائے اپنے آپ کو بیلنس کئے ہوئے تھے۔ وہ معمر شخص تھے۔ پینٹ شرٹ پہنے چشمہ لگائے چہرے پر قدرتی وقار سا تھا۔ میں اچانک اپنی جگہ سے کھڑا ہوگیا۔

"آپ تشریف رکھیئے۔" میں نے اُن سے کہا۔

"نہیں نہیں آپ بیٹھے رہیئے۔" انھوں نے کہا۔

"جی نہیں۔ میں پیچھے سے ہی بیٹھا آرہا ہوں اب آپ...."

"بیٹا اگلے اسٹیشن پر جگہ کچھ نہ کچھ ہو ہی جائے گی۔"

"مگر آپ کا کھڑا رہنا مجھے اچھا نہیں لگتا۔ بزرگ تو کھڑے ہوکر سفر کریں اور میں بیٹھا

www.taemeernews.com

رہوں۔"

میرے اصرار کو دیکھتے ہوئے میرے برابر بیٹھے ہوئے صاحب تھوڑا سا کھسک گئے کچھ میں نے اپنے آپ کو دبایا اور اُن کے لئے جگہ نکل آئی۔ وہ مسکراتے ہوئے بیٹھ گئے۔ بیگ گھٹنوں پر رکھ لیا۔ بیگ پر لگے کارڈ پر ان کا نام آر ڈی شرما لکھا تھا اور ایک مسافر کو سامنے کی برتھ پر اسی طرح جگہ مل گئی۔ ایک صاحب درمیان میں رکھے بکس پر بیٹھ گئے۔

شرما جی کہنے لگے۔ سفر میں عجیب وغریب حالات سے واسطہ پڑتا ہے۔ آج آپ جیسے لوگ مل گئے۔ ضد کر کے بٹھالیا۔ کبھی ایسے نوجوان مل جاتے ہیں جو بیٹھے ہو تو اٹھا دیتے ہیں۔ خاص طور پر جس ڈبہ میں دو چار دیہاتی ہوں اُس کے مسافروں کا تو ایشور ہی مالک ہے۔ ایسی حرکتیں کرتے ہیں جنھیں دیکھ کر دُکھ ہوتا ہے۔ آپ کو یہ سُن کر ہنسی آئے گی کہ پچھلی بار میرے ساتھ کیلے تھے۔ اسکول کے چند لڑکے بھی سفر کر رہے تھے۔ میری کنڈیہ میں کیلے دیکھ کر مجھ سے پوچھا "چاچا جی یہ کیلے کہاں لئے جا رہے ہیں؟ میں نے کہا بیٹا! گھر پر بچے ہیں انہی کے لئے لے جا رہا ہوں۔ بولے ہم بھی تو آپ کے بچے ہیں' اور یہ کہہ کر ایک ایک کیلا سب نے بانٹ لیا اور کھا گئے۔ صرف دو کیلے بچے تھے۔"

ایک صاحب بولے ـــــ آجکل کے لڑکے تو پڑھ لکھ کر بدتمیز ہو رہے ہیں۔ بڑوں کا احترام کرنا تو جانتے ہی نہیں۔"

دوسرے صاحب نے کہا ـــ "آج کل نہ وہ تعلیم ہے اور نہ وہ تعلیم دینے والے۔"

ایک بوڑھے شخص نے کہا ـــ "ہم بھی کبھی پڑھتے تھے پر گروؤں کے سامنے نخرتک اٹھا کر بات نہیں کرتے تھے جو آگیا دے دیتے ہم اس کا پالن کرتے تھے اب تو ہڑتال جادے مچاتے ہیں۔"

شرما جی نے بہت ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہا ـــ "آپ لوگ ٹھیک کہہ رہے ہیں۔ میرا تعلق چونکہ ایجوکیشن سے ہے اس لئے میرا تجربہ یہ ہے کہ اس میں قصور کسی ایک کا نہیں ہے۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ ہمارے زمانے میں زیادہ تر مذہبی کتابیں پڑھائی جاتی تھیں۔ مذہب چاہے کوئی ہو اُس میں انسان کو اچھا بنانے والی باتیں ہی ہوتی ہیں۔ لہٰذا مذہب کے ڈر سے برائیوں سے بچتے تھے۔ آج کل اس کی بہت کمی ہے اب بھی کتابوں میں بزرگوں

www.taemeernews.com

کے قصے اسی لئے پڑھائے جاتے ہیں مگر اُن میں سے کسی کو کوئی بھی اب ہیرو نہیں مانتا ہے دوسرے ہمارے سماج میں اب ایسی چیزیں آگئی ہیں جنھوں نے ساری انسانیت ہم سے چھین لی ہے۔ پڑھے لکھے کبڈی، فٹ بال وغیرہ کھیلتے تھے اور اَن پڑھ لوگ گلی ڈنڈا، انٹے اور پتنگ بازی سے دل بہلاتے تھے ـــــ مگر اب فلموں سے دل بہلاتے ہیں۔ گھر گھر ٹی وی ہیں جنھوں نے بڑوں کا احترام ختم کر دیا ہے۔"

لکھنؤ آنے سے پہلے کسی اسٹیشن پر شرما جی اُتر گئے اور میں لکھنؤ پہنچ گیا۔ اُترتے وقت انھوں نے مجھ سے ہاتھ ملایا اور شکریہ ادا کیا۔ مجھے اپنی اس نیکی پر روحانی مسرت حاصل ہوئی کہ اس کا اجر تو مجھے ملے گا ہی یہاں بھی میرے لئے اچھا تاثر پیدا ہوا ہے۔

اس واقعہ کو چھ سال گزر گئے۔ میں بی ایڈ کرنے کے بعد ایک ڈیڑھ سال سے نوکری کے لئے کوشاں تھا۔ پابندی سے روزگار سماچار، روزگار ڈائجسٹ اور دوسرے ہندی انگلش کے اخبارات اس غرض سے پڑھ رہا تھا۔ ایک دن میری نظر ایک اشتہار پر پڑی۔ بریلی کے ایک پرائیویٹ بارسکنڈری اسکول میں ایل ٹی گریڈ میں انگلش ٹیچر کی ضرورت تھی۔ میں نے اسی دن درخواست دے دی۔ اور چند روز بعد انٹرویو کے لئے بلا لیا گیا۔ دس بجے سے قبل ہی وہاں پہنچ گیا۔ کئی دوسرے اُمیدوار بھی تھے۔ وہ سب کے سب غیر مسلم تھے۔ میں علمی اعتبار سے تو مطمئن تھا لیکن اس لئے مایوس تھا کہ ایک تو میں مسلمان ہوں اور دوسرے بغیر سفارش کے آیا ہوں۔ انٹرویو شروع ہوا پرنسپل کے کمرے میں چپراسی کے ذریعہ ایک ایک کو بلایا جاتا۔ میرا نمبر ساتواں تھا۔ مجھ سے انٹرویو میں کوئی خاص سوال بھی نہیں کیا گیا اس سے ظاہر تھا کہ میرا تقرر نہیں ہوگا۔ میں راستے بھر یہ سوچتا ہوا لوٹ آیا کہ انٹرویو ایک فارملٹی پوری کرنے کے لئے لیا گیا ہے۔ انتخاب تو پہلے ہی ہو چکا ہوگا لیکن میری حیرت کی انتہا نہ رہی جب تیسرے روز اپائنمنٹ لیٹر ملا۔ مجھے ایک ہفتہ کے اندر جوائن کر لینا تھا۔ میرے لئے یہ موقع جہاں خوشی کا تھا وہیں تعجب کا بھی تھا۔

میں تین روز بعد ہی بریلی پہنچ گیا۔ پرنسپل صاحب کے کمرے میں پہنچا تو انھوں نے مجھے مبارکباد دی۔ میں نے اُن کا شکریہ ادا کیا۔ پھر وہ اپنے کام میں لگ گئے۔ مجھے لگا کہ میں نے انھیں کہیں دیکھا ہے میں انھیں غور سے دیکھتا رہا اور ذہن پر زور دیتا رہا۔ جب وہ کام

www.taemeernews.com

سے فارغ ہوئے تو پوچھا۔

"یہاں کہاں ٹھہریں گے۔ کوئی رشتے دار ہے؟" میں نے کہا ــــ "یہاں کوئی نہیں ہے ایک دو روز ہوٹل میں رہا جا سکتا ہے۔ پھر کوئی کمرہ مل ہی جائے گا۔"

بولے ــ "جب تک کمرہ نہ ملے میرے پاس رہنا۔ میرے مہمان بن کر۔" وہ مسکرائے اور میں اپنے محسن کو دیکھتا ہی رہ گیا۔ پھر میں نے آفس سے اپنا ٹائم ٹیبل نوٹ کیا۔ چاک اور ڈسٹر لے کر کلاس لینے چلا گیا۔

ساڑھے بارہ بجے جب میں ان کے کمرے میں پہنچا تو وہ میرے منتظر تھے ــ "آیئے چلیں" یہ کہتے ہوئے وہ اپنے کمرے سے باہر آ گئے اور میں ان کے ساتھ ہو لیا۔

اُن کے کمرے پر کوئی نہیں تھا سوائے ایک نوکر کے۔ کھانا کھانے کے بعد میں نے بڑی ہمت کر کے کہا ــــ "سر مجھے لگتا ہے کہ ہماری ملاقات نہیں ہوئی ہے۔"

انھوں نے بڑا سا قہقہہ لگایا اور بولے ــ "لگتا ہے۔" پھر کہنے لگے ــ "ہماری ملاقات یقیناً ہوئی ہے۔ یہ اُس ملاقات کا تو صلہ ہے کہ ساری سفارشیں بے اصل ہو گئیں حتیٰ کہ نائب وزیر صاحب کی سفارش بھی۔ اور پھر جیسے میں نے پہیلی بوجھ لی ــــ میں نے عقیدت سے اُن کے دونوں ہاتھ پکڑ لیے۔ انھوں نے پھر ایک قہقہہ لگایا اور بولے ــ "نیکی نیکی ہی ہوتی ہے خواہ چھوٹی ہو یا بڑی اور اُس کا صلہ انسان کو ملتا ہی ہے۔"

www.taemeernews.com

شکایت

سارے محلّے میں ان بچوں کی تعریف ہو رہی تھی جنھوں نے دوسروں کی خدمت کرنے کے لئے ایک انجمن "خدمت گار پارٹی" بنائی تھی۔ یہ پارٹی ہر ایک کے کام آتی۔ سب سے پہلے اس نے محلّے کے بچوں کو نماز پڑھنے کے لئے آمادہ کیا۔ اور اب آس پاس کی مسجدوں میں نماز پڑھنے والے بچوں کی اچھی خاصی تعداد تھی۔ اس کے علاوہ کسی کا سودا لانا ہوتا تو اس کے ممبر سودا لا دیتے کوئی بیمار ہوتا تو نسخہ لے کر ڈاکٹر سے دوا لا دیتے، کوئی نابینا گزرتا تو اُس کی لکڑی پکڑ کر راستہ بتا دیتے راستے میں پڑے ہوئے اینٹ پتھر ہٹا دیتے اور محلّہ میں کہیں دعوت ہوتی تو خدمت گار پارٹی مہمانوں کی تواضع بھی کرتی۔

خدمت گار پارٹی کے سارے بچے بہت سلیقے سے رہتے۔ اپنے بڑوں کا ادب کرتے اپنے چھوٹوں سے محبت کرتے۔ جھوٹ اور دوسری بُری عادتوں سے دُور رہتے۔ اس پارٹی کا لیڈر ندیم تھا۔ اُسی نے یہ پارٹی بنائی تھی۔ سب لوگ اس پارٹی سے خوش تھے اور اس میں شامل بچوں سے بڑی شفقت سے پیش آتے تھے۔

ندیم بارہ تیرہ سال کا تھا۔ وہ پڑھنے لکھنے میں بھی تیز تھا اور اپنے اسکول کے اچھے بچوں میں شمار ہوتا تھا۔ اُستاد اس سے خوش رہتے تھے۔

ندیم پہلے ایسا نہیں تھا۔ اُس میں ساری خوبیاں تو تھیں مگر الگ تھلگ رہتا تھا۔ کسی کے کام آنا یا کسی کی مدد کرنا وہ جانتا بھی نہ تھا۔ کسی کو کسی چیز کی ضرورت ہو تو وہ نہیں دے سکتا تھا۔ جبکہ اس کے پاس وہ چیز موجود ہوتی تھی کسی ساتھی کے چوٹ لگ جائے تو ندیم اس کے قریب بھی نہ جاتا۔ اُس کی مدد کرنا تو دور کی بات تھی۔

www.taemeernews.com

"ارے بھئی میں نے کہا کسی سے قلم مانگ لو۔" پھر ماسٹر صاحب خود ہی بولے "بچو! اگر کسی کے پاس دوسرا پین ہو تو ندیم کو دے دو۔"

کوئی لڑکا نہیں بولا۔ سب سر جھکائے اپنا اپنا پرچہ حل کرتے رہے۔ حالانکہ کئی بچوں کی ڈیسک پر دوسرے قلم رکھے تھے۔ ندیم نے خالد کو دیکھا۔ خالد نے ندیم کو دیکھا اور مسکرا کر اپنا سر اپنی کاپی پر جھکا لیا۔ پھر وہ عمران کی طرف دیکھنے لگا جس کی میز پر ایک چھوڑ دو قلم موجود تھے عمران نے نظر اٹھا کر دیکھا تو ندیم اس کی طرف دیکھ رہا تھا۔ "کیوں کیا تمھیں قلم چاہیئے؟" عمران نے مسکرا کر کہا تو ندیم بھنّا کر رہ گیا۔ اس کی آنکھیں ڈبڈبا آئیں۔

خالد آہستہ سے بولا "ندیم اگر قلم کی ضرورت ہو تو مجھ سے مانگ لینا۔"

خالد کی بات بھی ندیم کے دل میں تیر کی طرح چبھ گئی۔ "مجھے نہیں چاہیئے کسی کا قلم۔" وہ جل کر بولا۔

ماسٹر صاحب، جو کمرے میں ٹہل رہے تھے بولے۔ "یہ کیا مذاق ہے۔ تم لوگ قلم دے کیوں نہیں دیتے؟"

"سر! ندیم کو قلم نہیں چاہیئے۔ آپ اس سے پوچھ لیجیئے۔" ایک اور ساتھی نے چڑایا۔

اور جب ماسٹر صاحب نے ایک لڑکے کی ڈیسک پر سے ایک پین اٹھا کر ندیم کو دیا تو اس نے لینے سے انکار کر دیا۔ ماسٹر صاحب کی سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا تھا کہ امتحان کے کمرے میں یہ سب کیا ہو رہا ہے۔

ندیم نے اس کے بعد پرچہ حل نہیں کیا اور سارے وقت بیٹھا رہا۔ آج اسے بہت شرمندگی اور تکلیف اٹھانا پڑی۔ گھر آیا تو اس کا منہ اترا ہوا تھا۔ اس نے کھانا بھی نہیں کھایا۔ رات کو جب وہ سونے کے لئے لیٹا تو دن کے واقعات اس کے سامنے آنے لگے اپنے ساتھیوں کے کہے ہوئے جملے اسے یاد آتے اور وہ دل مسوس کر رہ جاتا۔ اس نے طے کر لیا تھا کہ اب سب سے بات چیت ختم کر دوں گا۔ اس نے یہی کیا بھی۔ اگلے دن اس نے کسی سے بات چیت نہیں کی۔ وہ اپنا پرچہ حل کرتا اور سیدھا اپنے گھر چلا جاتا۔

☆

www.taemeernews.com

ایک بار خالد نے ندیم سے اُردو کی کاپی مانگی۔ اس نے کہا "میں کل اپنی نانی کے یہاں چلا گیا تھا اس لئے کل کا کام میرے پاس نوٹ نہیں ہے۔ تم مجھے اپنی کاپی دے دو تاکہ میں اُسے اپنی کاپی میں اُتار لوں۔"

ندیم نے جھٹ انکار کرتے ہوئے کہا "کسی اور سے لے لو۔ میں اپنی کاپی کسی کو نہیں دیتا ہوں۔"

تب خالد نے ایک دوسرے ساتھی سے کاپی لے کر اپنا کام پورا کیا۔

ایک بار عمران نے پوچھا "ندیم تمھارے پاس ربر ہے۔"

ندیم نے کہا۔ "ہاں ہے۔"

"ذرا دینا ایک منٹ کے لئے۔" عمران نے کہا

"کیوں دینا۔ اپنی لایا کرو نا!" اور عمران اپنا سا منھ لے کر رہ گیا۔

درجہ کے دوسرے ساتھی ندیم کی اس عادت سے بہت پریشان تھے۔ اب وہ بھی اُس کے ساتھ ایسا ہی عمل کرتے۔ اُس سے بہت کم بات کرتے۔ نہ کچھ مانگتے اور نہ کچھ دیتے۔ انٹرول میں وہ سب کھیلتے مگر ندیم کو شامل نہ کرتے۔ کبھی کبھی ندیم کو تکلیف محسوس ہوتی۔

ششماہی امتحان ہو رہے تھے۔ درجہ میں لڑکے ایک دوسرے سے تھوڑے فاصلے سے بیٹھے تھے۔ سب اپنا پرچہ حل کر رہے تھے۔ ندیم تو تھا ہی پڑھنے لکھنے میں تیز۔ اس کے لئے پرچے کے سارے سوال حل کرنا کچھ مشکل نہ تھا۔ وہ بہت تیزی کے ساتھ لکھ رہا تھا مگر ابھی دو سوال ہی حل کر پایا تھا کہ اس کے پین کی نب ٹوٹ گئی۔ وہ مایوسی سے ادھر اُدھر دیکھنے لگا۔ ماسٹر صاحب نے جب اُسے اِدھر اُدھر دیکھتے ہوئے پایا تو پوچھا "ندیم اِدھر اُدھر کیا دیکھ رہے ہو۔ اپنا پرچہ حل کرو۔"

"سر میرے پین کی نب ٹوٹ گئی ہے۔" ندیم نے کہا۔

"تو دوسرا قلم نہیں ہے تمھارے پاس؟"

"جی نہیں۔"

"تو پھر کسی ساتھی سے لے لو۔" ماسٹر صاحب نے کہا۔

وہ مایوسی سے ان کا منھ تکنے لگا۔

www.taemeernews.com

امتحان ختم ہو گئے اور اسکول کھل گئے۔ وہ اب بھی اپنے ساتھیوں سے خفا تھا۔ اگر اُس سے کوئی بات کرتا بھی تو وہ جواب نہ دیتا۔ وہ ششماہی امتحان میں فیل ہو گیا۔ باقی سارے پرچوں میں اُس کے نمبر فرسٹ ڈویژن کے تھے۔ اُس نے سوچا یہ سالانہ امتحان نہیں تھا اُس میں تو میں پاس ہو ہی جاؤں گا مگر دو باتوں کی اسے بہت فکر تھی۔

ایک تو یہ کہ اپنا نتیجہ ابّو کو کیسے دکھاؤں گا؟ کیوں کہ جب وہ دیکھیں گے تو بہت ڈانٹیں گے۔ وہ تو پہلے سے کہتے تھے سب سے مل جُل کر رہا کرو۔ ابّو کو اگر ساری بات سچ سچ بتا دیتا ہوں تو بہت خفا ہوں گے۔

دوسری فکر یہ تھی کہ اب اُس کے ساتھی اُس کا مذاق بنانے لگے تھے۔ ایک لڑکا کوئی بات کہہ دیتا اور کئی لڑکے اُس کی طرف دیکھ کر ہنسنے لگتے۔ وہ جھنجھلا جاتا اور کبھی کبھی اُلٹے سیدھے جواب دینے لگتا۔

اسکول کے سامنے ایک میدان تھا جس کے چاروں طرف دیوار تھی۔ میدان کے کنارے پر املی کا ایک بہت بڑا پیڑ تھا۔ اکثر شریر بچے اُس کی اِملیاں توڑتے۔ وہ ڈھیلے مارتے۔ اِملیاں ڈھیلوں کے ساتھ نیچے گرتیں، بچے انھیں اُٹھا کر کھاتے۔

ایک دن کھیل کود کے گھنٹہ میں ندیم اور اس کے درجے کے دوسرے لڑکے میدان میں تھے۔ کھیل کے ماسٹر صاحب اس دن چھٹی پر تھے۔ کچھ شریر لڑکوں نے املی کے پیڑ پر ڈھیلے مار کر املیاں توڑنا شروع کر دیں پھر وہ کھٹی کھٹی املیاں مزے لے لے کر کھانے لگے۔ ندیم ایک طرف بیٹھا تھا۔ اُس کے منہ میں پانی بھر آیا۔ ایک ڈھیلا اس نے بھی مار دیا۔ ندیم کا ڈھیلا اور املیاں اُس کے پاس گریں۔ وہ انھیں کھانے لگا۔

بچے یہ حرکت کر ہی رہے تھے کہ دیوار کے پار سڑک پر شور مچ گیا ــــ "ارے کون ہے کس نے ڈھیلا مارا تھا۔ سر پھاڑ دیا بے چارے کا۔"

ایک لڑکا سڑک پر جا رہا تھا کہ کسی بچے کا ڈھیلا اس کے سر پر لگ گیا۔ سر پھٹ گیا اور خون کی پھوار بہہ نکلی۔ کچھ لوگ اُس لڑکے کو ہیڈ ماسٹر صاحب کے پاس لے آئے انھوں نے زخمی لڑکے کو ایک ماسٹر اور چپراسی کے ساتھ اسپتال بھیج دیا۔ پھر وہ فوراً میدان

www.taemeernews.com

میں آئے ندیم اور اُس کے کلاس کے بچے میدان میں تھے۔ انھوں نے سب کو ایک لائن میں کھڑا کر دیا اور پوچھا "املیاں کون توڑ رہا تھا؟"۔

بچے خاموش رہے۔ ہیڈ ماسٹر صاحب نے پھر سوال کیا۔ کسی نے پھر جواب نہیں دیا ہیڈ ماسٹر صاحب نے کہا "سب اپنے اپنے ہاتھ پھیلاؤ"۔

اتنی دیر میں پیچھے کھڑے دو بچوں نے آپس میں کچھ کہا اور بولے۔ "سر ندیم املیاں توڑ رہا تھا۔

اور پھر پٹائی کے ڈر سے سارے بچے ایک زبان ہو کر یہی کہنے لگے۔

ندیم لرز کر رہ گیا۔ وہ گھبرا کر بولا۔ "سر اور سب بھی تو توڑ رہے تھے"۔

مگر ہیڈ ماسٹر صاحب ندیم کو بلا کر اپنے کمرے میں لے گئے۔ وہاں انھوں نے اُسے مُرغا بنا دیا اور اُس کے ابّو کو بُلانے کے لئے ایک چپراسی کو بھیجا۔

ندیم کو آج بہت دُکھ ہو رہا تھا۔ وہ بے وجہ مجرم بنا سزا پا رہا تھا۔ ابّو کا ڈر اُسے اور بھی ستا رہا تھا۔ کچھ دیر میں اس کے پیر کانپنے لگے تو ہیڈ ماسٹر صاحب نے اُسے ایک طرف کھڑا کر دیا۔ اس کے ابّو آ گئے۔

ندیم کے ابّو ہیڈ ماسٹر صاحب کے سامنے کرسی پر بیٹھ گئے۔ ہیڈ ماسٹر صاحب کچھ کاغذات دیکھ رہے تھے۔ کمرے میں سسکیوں کی آوازیں آ رہی تھیں۔ ندیم کے ابّو نے اِدھر اُدھر نظر دوڑائی۔ وہ چونک گئے۔ ایک کونے میں ندیم کھڑا گھُٹ گھُٹ کر رو رہا تھا۔

"آپ کے صاحبزادے نے ایک لڑکے کا سر پھاڑ دیا۔" ہیڈ ماسٹر صاحب نے کاغذات کا فائل ایک طرف سرکاتے ہوئے کہا۔

ندیم کے ابّو چُپ رہے۔ ہیڈ ماسٹر صاحب نے بات کو جاری رکھتے ہوئے کہا "املیاں توڑ رہے تھے۔ ڈھیلا باہر سڑک پر ایک راہ گیر لڑکے کے سر پر لگا اور اس کا سر پھٹ گیا۔ میں نے اس کی پٹی کرانے بھیجا ہے۔"

ندیم کے ابّو شرمندہ شرمندہ سے تھے۔ وہ اب بھی چپ تھے کہ ہیڈ ماسٹر صاحب نے کہا "میں نے آپ کو اس لئے بلایا ہے کہ آپ بھی ان کی تربیت پر نظر رکھیں۔ ان کا شمار اسکول

www.taemeernews.com

کے اچھے لڑکوں میں ہوتا ہے لیکن اس بار یہ دیکھ کر تعجب ہوا کہ سارے پرچوں میں ان کے فرسٹ ڈویژن نمبر ہونے کے باوجود بھی ایک مضمون میں فیل ہو گئے ہیں۔"

ابّو نے اپنی کرسی کو تھوڑا سا ندیم کی طرف موڑا۔ وہ کچھ دیر تک اُسے گھور کر دیکھتے رہے پھر بولے۔ "کیوں بیٹے! کیا تم اچھے لڑکے بننا نہیں چاہتے؟"

ندیم پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا۔ "نہیں ابّو یہ بات نہیں ہے۔ میں نے کچھ نہیں کیا۔"

"تو پھر کس نے کیا ہے یہ سب کچھ؟"

ندیم نے اپنے آنسوؤں کو اپنے دامن سے خشک کرتے ہوئے کہا۔ "درجے کے سب لڑکے مجھ سے ناراض ہیں۔ بات تک نہیں کرتے۔ اپنے ساتھ نہیں کھلاتے اور مجھے ماسٹر صاحب سے پٹوانے کی کوشش کرتے ہیں۔"

"تم سے سب ناراض کیوں ہیں؟" ہیڈ ماسٹر صاحب نے پوچھا ــــ

ندیم نے پوری بات سچ سچ بتادی۔

ندیم کے ابّو نے کہا۔ "تو اس میں قصور تمھارا ہی ہے۔ میں نے ہمیشہ تمھیں مل جُل کر رہنے کی نصیحت کی ہے۔ کتابوں میں بھی تم یہی پڑھتے ہو۔ ماسٹر صاحبان بھی یہی سمجھاتے ہیں۔ کہو یہ تمھاری غلطی ہے یا نہیں؟"

ندیم چپ رہا۔ اس کے ابّو نے پھر کہا۔ "بولتے کیوں نہیں ــــ جواب دو تم نے غلطی کی یا نہیں؟"

"جی" ندیم نے فرش پر دیکھتے ہوئے کہا۔

"آؤ میرے ساتھ" کہہ کر ہیڈ ماسٹر صاحب اپنی کرسی سے اُٹھ کھڑے ہوئے۔

ہیڈ ماسٹر صاحب ندیم کو کلاس میں لے کر گئے۔ لڑکے کھڑے ہو گئے۔ وہ کچھ گھبرا سے بھی گئے تھے کہ نہ جانے ندیم نے کس کس کی شکایت کی ہو۔ خدا جانے ہیڈ ماسٹر صاحب کیوں تشریف لائے ہیں؟

ہیڈ ماسٹر صاحب نے لڑکوں کو مخاطب کرتے ہوئے کہا ــــ "بچو! اگر پڑھنے لکھنے والے بچوں کے طور طریقے پڑھے لکھے جیسے نہ ہوں تو پھر پڑھنے سے کیا فائدہ۔ اگر تعلیم بڑوں

www.taemeernews.com

کا ادب کرنا، چھوٹوں سے محبت کرنا، آپس میں میل جول رکھنا نہ سکھائے تو تعلیم سے کیا فائدہ؟ میری نصیحت غور سے سنو! اور تم سب آپس میں مل جل کر رہو۔ ایک دوسرے سے ہمدردی سے پیش آؤ۔ آج سے ندیم بھی تمھارے ساتھ مل جل کر رہیں گے۔ یہ تم سے الگ نہیں ہیں۔ اب مجھے کسی کی شکایت نہیں ملنا چاہیئے۔"

پھر ہیڈ ماسٹر صاحب نے ندیم کا ہاتھ سب ساتھیوں سے ملوایا اور اپنے کمرے میں چلے گئے۔

اُس دن کے بعد سے ندیم سب سے گھل مل گیا اور پھر ہیڈ ماسٹر صاحب کو کوئی شکایت نہیں ملی بلکہ ندیم کالج کے اچھے لڑکوں میں شمار کیا جانے لگا۔ دوسروں کی مدد کرنا اُس کا مشغلہ بن گیا اور محلّے میں بھی اُس نے خدمت گار پارٹی بنالی جس کی خدمت اور ہمدردی کے جذبہ کا ہر شخص معترف تھا۔

www.taemeernews.com

○

۱۹۵۳ء : دو سال تک شادی کرنے کا کوئی ارادہ نہیں ہے۔
۱۹۵۵ء : ذات اچھی نہیں ہے
〃 لڑکے کی زبان لکنت کرتی ہے
۱۹۵۶ء : ذاتی مکان نہیں ہے۔
〃 تنخواہ کم ہے گزر بسر مشکل سے ہوگی
〃 ہمیں دولت سے کیا لینا ــــ لڑکا ان پڑھ ہے علمِ مجلس کی بھی کمی ہے۔
۱۹۶۵ء : لالچی معلوم ہوتے ہیں' ابھی سے مطالبات پیش کر رہے ہیں۔
۱۹۷۳ء : پہلی بیوی سے چار بچے ہیں۔ اتنے بچوں کو پالنا مشکل ہوگا۔

یہ آپا جان کے لئے آنے والے ان سارے رشتوں کی کہانی ہے جو قبول نہیں کئے جا سکے۔
آپا جان اس وقت (۱۹۸۹ء میں) عمر کی پچاسویں دہلیز پر ہیں۔
چہرے پر بڑھاپے کی گرفت کافی مضبوط ہو چکی ہے۔
ان کی جوانی والدین کی آن بان خاندانی برتری اور غیر دانش مندانہ فیصلوں کی نذر ہو چکی ہے۔
ماں باپ دونوں ہی اللہ کو پیارے ہو چکے ہیں۔
ــــ اور آپا جان دوسروں کے رحم و کرم پر ایک بے مقصد زندگی جی رہی ہیں۔
آپا جان نے اپنے آپ پر کسی کو اُنگلی اُٹھانے کا موقع نہیں دیا ہے۔
ہر ایک کی خوشی میں شریک ــــ ہر دکھی دل کی غم خوار ــــ مگر دل اور روح بر سرِ پیکار
نوح کی طرح قطرہ قطرہ پگھلتی آپا جان کے سلسلے میں خدا کو کون جواب دہ ہوگا؟
ــــ والدین؟ سماج؟؟ یا خود آپا جان؟؟؟

سوچئے اور خوب سوچئے

www.taemeernews.com

○

فرقہ وارانہ فساد کے بعد کرفیو تین روز قبل ہی اُٹھایا گیا ہے۔
آج... حسین صاحب کے بچے کی سالگرہ ہے۔
کوٹھی کے لان میں بہت حسین پنڈال بنایا گیا ہے۔
میزوں پر کراکری سجی ہوئی ہے۔
کیک کاٹے جانے میں ابھی پندرہ منٹ باقی ہیں۔
بیشتر مہمانوں کے پاس تحائف اور گلدستے ہیں۔
میں کوٹھی کے باہر پان سگریٹ کی دوکان پر پان کھانے آجاتا ہوں۔
دوکان کے اندر سے کوئی عورت ہاتھ بڑھا کر دوکاندار کو چائے کا کپ دیتی ہے۔
"دوکان آپ نے انہی دنوں کی ہے شاید؟" میں سوالیہ انداز میں پوچھتا ہوں
"جی صاحب! کرفیو نے سب کام چوپٹ کر دیا آخر بچوں کا پیٹ تو پالنا ہی ہے۔"
"آپ پارٹی میں آئے ہیں جی؟" دوکاندار معلوم کرتا ہے۔
"ہاں ــــ کیا آپ بھی سالگرہ میں مدعو ہو؟"
"ارے صاحب! کیسی بات کرتے ہیں آپ ــــ ہم چھوٹے آدمی ہیں۔
ہم ہی کیا محلّے کے کسی آدمی کو نہیں بُلایا ہے صاحب۔
یہاں غریب رہتے ہیں نا ــــ شان جو خراب ہوگی۔"
"ارے بھئی تم تو پڑوسی ہو۔" میں مزید کریدنے کی کوشش کرتا ہوں۔
"ہاں صاحب آپ ٹھیک کہتے ہیں
جب کبھی جیپ کو دھکا لگانے کی ضرورت ہوتی ہے تو عبدل کو پکار لیتے ہیں۔
بس یہ ہے ہماری عزت اور اتنا ہی ہے ہم سے تعلق ــــ

www.taemeernews.com

ہم برابر کام آتے ہیں جی ــــ کیا منع کریں مرتی جیتی دنیا ہے؟
ہ کرفیو کے دوران میں تو ضرور مدد کی ہو گی؟ میں جیسے جلے پر نمک چھڑک دیتا ہوں
"ارے کیا بات کرتے ہیں آپ! ہم نے تو صورت بھی نہیں دیکھی کسی کی۔
سارے شٹر اور پھاٹک اندر سے لاک رہتے تھے۔
ہمیں کھانا نہیں ملتا تھا ــــ کئی کئی فاقے ہو گئے ہم لوگوں کو۔
مگر کوٹھی والوں کو کوئی جیپ میں لا کر دودھ مکھن اور پہنچا دیتا تھا
پولیس نے سارے محلے کی تلاشی لی مگر کوٹھی اس دن بھی نہیں کھلی ــ بڑے آدمی ہیں نا!
ہم بھوکے رہے ہم پر مقدمہ چلے گا ــ ہم غریب ہیں اس لئے مجرم ہیں صاحب!"
دوکان پر کھڑے دوسرے لوگوں نے بھی اس کی تائید کی۔
میں سوچ رہا ہوں کتنے بدنصیب ہیں اس کوٹھی کے مکین
جنھیں اللہ نے خدمت خلق کا نادر موقع دیا اور وہ محروم رہے۔
جن کے پڑوسی انتہائی تکلیف میں رہے اور بھوکے پیاسے رہے۔
جن سے سارے محلے والے بدظن ہیں   اور جو
سالگرہ جیسی واہیات رسم پر ہزاروں روپے صرف کر سکتے ہیں ــ محض جھوٹی عزت اور شہرت پانے کے لئے
میں اپنا اسکوٹر اسٹارٹ کر کے گھر آجاتا ہوں

میں اپنے بستر پر لیٹا ہوا بہت دیر سے سوچ رہا ہوں
آخر انھیں آخرت کی باز پرس کا خیال کیوں نہیں ہے؟
جنھیں اللہ تعالیٰ نے دولت سے نوازا ہے مگر ضرورت مندوں کے کام نہیں آتے۔
جنھیں حقوق العباد کی ادائیگی کا احساس تک نہیں ہے۔
جن کے ہمسائے ان سے ناخوش ہیں۔
آپ ہی بتایئے ــــ وہ لوگ بدنصیب نہیں تو اور کیا ہیں؟

www.taemeernews.com

میرے ایک دوست نے کہا۔

میرے محلے میں بے شمار مکان ہیں

مگر میں صرف دو کا ذکر کروں گا

دائیں جانب والے مکان میں میاں بیوی اور دو بچے رہتے ہیں۔

ان کے پاس بہت سا سامانِ تعیش ہے۔

اچھا مکان اور بیش قیمت کپڑے ہیں۔

آئے دن تقریبات ہوتی رہتی ہیں۔

مگر اہلِ محلہ ان پر ہمیشہ معترض رہتے ہیں۔

میاں بیوی کے درمیان بات بات پر اختلاف رہتا ہے۔

اور ہمسائے تماشا دیکھتے ہیں۔

بائیں جانب والے مکان میں میاں بیوی اور تین بچے رہتے ہیں۔

شوہر کہیں کلرک ہے۔ مزاجاً خوش اخلاق ہے۔

متوسط درجے کا گھر ہے۔

عورت نہایت سادہ رہتی ہے اہل محلہ کے دُکھ درد میں شریک ہوتی ہے۔

کبھی زن و شو کے درمیان یہ نوبت نہ آئی کہ ہمسائے کچھ سُنتے۔

درمیان میں میرا گھر ہے۔

www.taemeernews.com

میری ماہانہ آمدنی سے ساری ضرورتیں پوری ہو جاتی ہیں۔
مگر......
میری بیوی ہر بات میں دائیں جانب والے ہمسائے کی مثال دیتی ہے۔
اسی درجہ کا آرائشی سامان اور لباس مطلوب ہے۔
مگر اختلافات اور رسوائی ان جیسی نہیں چاہتی۔
بائیں جانب والوں کو وہ بہت زیادہ پسند کرتی ہے۔
مگر ان کی مالی حیثیت پر ہمیشہ افسوس کا اظہار کرتی ہے۔
میری بیوی کی اس عادت نے اس کا سکون چھین لیا ہے۔
عجیب سی کڑھن اور مایوسی دامن گیر رہتی ہے۔
میں دائیں جانب والوں کی آمدنی کے ذرائع کے بارے میں بتاتا ہوں۔
زن و شو کے باہمی اختلافات کا تجزیہ کر کے اس کے اسباب بتاتا ہوں۔
متوقع انجام سے ڈراتا ہوں۔
مگر میری اصولی باتوں کو 'زبانی جمع خرچ' کہہ کر رد کر دیتی ہے۔ "
میرا دوست پریشان ہے کہ کیا کرے اور کیا نہ کرے۔

کیا میرے دوست کی الجھن کا آپ کے پاس کوئی حل ہے؟
کیا اس کی بیوی غلطی پر نہیں ہے؟
اگر شوہر کی قوتِ برداشت جواب دے گئی تب کیا ہوگا؟
یہی نا کہ ـــ دائیں جانب والے مکان جیسی صورتِ حال پیدا ہو جائے۔
معاملات اس سے زیادہ بھی تو بگڑتے ہیں۔
آپ کے پاس اس الجھن کا کیا جواب ہے؟

www.taemeernews.com

گھر کو پرسکون بنانے میں بیوی کی بہت بڑی ذمہ داری ہوتی ہے۔
جس گھر میں زن وشو اور ساس بہو کے درمیان میں محبت ہو وہ گھر گھر نہیں جنت ہے۔
اس جنت کے خواب ہر کوئی دیکھا کرتا ہے۔
مگر بعض لوگوں کے ہاتھ دوزخ ہی آتی ہے۔

ایک ایسے ہی گھر کا واقعہ ہے ــــ
شوہر پریشان تھا۔ جھنجھلایا ہوا تھا۔ میں نے پوچھا "ماجرا کیا ہے؟"
بولا "گھر میرے لئے دوزخ سے کم نہیں ہے۔ ہر وقت کی چخ چخ سے ناک میں دم ہے۔
سوچا تھا، بیوی آئے گی، سکون حاصل ہوگا۔ بوڑھی ماں کو چولہا جھونکنے سے کچھ فرصت ملے گی۔
مگر ہوا اس کے برعکس۔ اب نہ ماں چھوڑنے کی ہیں اور نہ ہی بیوی۔
میں نے پوچھا "ہوا کیا؟"
بولا "ماں کے لئے سیب لایا تھا۔ تھیلی ان کے ہاتھ میں کیا دی کہ بیوی کا موڈ آف ہو گیا۔
کہاں تک صبر کروں ــــ تمھیں بتاؤ کیا شادی کرنے کے بعد ماں کا کوئی حق نہیں رہتا؟
جو ماں نو مہینے تک تکلیفیں اٹھائے، شب و روز ایک کر کے پرورش کرے۔ بڑے ارمان سے شادی کرے
ــــ اور پھر وہ لاتعلق ہو جائے۔
میں نے بیوی کو بہت سمجھایا مگر وہ اپنے مزاج سے مجبور ہے۔

میں اس مسئلہ کا حل سوچ رہا ہوں مگر سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا ہے۔
تصویر کا جو رخ ہمارے سامنے ہے اس میں قصور وار سراسر بیوی ہی ہے۔
کیا بیٹا اپنی ماں کو چھوڑ دے؟
کیا اس مسئلہ کا حل بیوی کے غلط رویئے میں سدھار نہیں ہے؟
آپ ہی بتایئے۔
(بھی دہلی ماہنامہ خواتین کا ڈائجسٹ سے ماخوذ)

www.taemeernews.com

سچائی اور عدم تشدد کا سبق میں نے بچوں
سے سیکھا ہے۔

——— مہاتما گاندھی

www.taemeernews.com

قاسم سیّد کے جواں سال اور سحر انگیز قلم سے

"ابوالکلام آزاد ایک تقابلی مطالعہ"

کیا آزاد کانگریس کے شو بوائے تھے؟ کیا آزاد کی قیادت مسلم دشمنی تھی؟ کیا آزاد کی سیاست جذباتیت کی بنیادوں پر تھی؟ اور اسی طرح کے بہت سے سوالات کا ایک اچھوتے اور مفصّل انداز میں جائزہ اور اس کے علاوہ سرسیّد، نہرو، گاندھی وغیرہ سے ایک تقابلی مطالعہ جس کو مصنّف نے انتہائی سحر انگیزی کے ساتھ قلم بند کیا ہے۔

سائز ۲۳×۳۶/۱۶ آفسٹ صفحات ۱۶۰

قیمت: -/۳۰ روپے

ناشر

سیّد پبلشنگ کمپنی۔ نئی دہلی۔